ماہنامہ

# انذار

# Inzaar

مدیر: ابو یحییٰ

اپریل ۲۰۱۹

www.inzaar.pk

April 2019

مصیبت یہ نہیں کہ آپ سے گناہ ہو گیا
مصیبت یہ ہے کہ آپ نے ابھی تک توبہ نہیں کی

Please visit our websites to read the articles and books of Abu Yahya online for free.

**www.inzaar.org**

**www.inzaar.pk** (Urdu Website)

**Join us on twitter** @AbuYahya_inzaar

**Join us on Facebook**

**Abu Yahya's Official Page**: facebook.com/abuyahya.inzaar

**Inzaar Official Page:** facebook.com/inzaartheorg

**Join us on YouTube** youtube.com/inzaar-global

**WhatsApp** Broadcast list: Please contact +92-334-1211120 from WhatsApp (Daily Msg Service-Broadcast Lists – No Groups)

To get books and Inzaar's monthly magazines at home anywhere in Pakistan, contact 0332-3051201 or 0345-8206011

To participate in online courses, visit ww.inzaar.org/online-courses/

To get any other information, email to **info@inzaar.org** and info@inzaar.pk

Our material in audio form is available on USB/CD

ابو یحییٰ کی نئی کتاب

# بندگی کے سو رنگ

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''میں نے جن و انس کو اپنی بندگی ہی کے لیے پیدا کیا ہے۔''، (الذاریات 51:56)

بندگی کی یہ دعوت اپنے اندر اتنے ہی رنگ لیے ہوئے ہے جتنے خود زندگی کے مختلف رنگ، پہلو اور گوشے ہیں۔ پیش نظر کتاب میں زندگی کے ان رنگوں کو بندگی کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ اسی لیے اس مجموعہ مضامین کا نام ''بندگی کے سو رنگ'' رکھا گیا ہے۔

کتاب کا ہر مضمون وہ زاویہ نظر دیتا ہے جو ایک بندہ مومن سے اس کے مالک کو مطلوب ہے۔ چاہے اس کا تعلق زندگی کے فکری پہلو سے ہو یا عملی پہلو سے۔ بندگی کی سوچ مومن کی فکر و عمل کے ہر رنگ کا احاطہ کرتی ہے۔ یہ بندے کو آمادہ کرتی ہے کہ وہ زندگی کے ہر رنگ کو مالک کے بنائے ہوئے کینوس (canvas) کے پس منظر میں دیکھے۔

اس طالب علم کو یقین ہے کہ اس کتاب کے مطالعے کے بعد آپ کی زندگی بندگی کے رنگوں میں انشاءاللہ رنگ جائے گی۔ یہی اس کتاب کا مقصد تصنیف ہے۔

ابو یحییٰ

---

ماہنامہ

# اِنذار

اپریل 2019ء رجب/شعبان 1440ھ

جلد 7 شمارہ 4



فی شمارہ ــــ 25 روپے
سالانہ: کراچی (بذریعہ کوریئر) 500 روپے
بیرون کراچی (نارمل پوسٹ) 400 روپے
(زرتعاون بذریعہ منی آرڈر یا ڈرافٹ)
بیرون ملک 2500 روپے
(زرتعاون بذریعہ پوسٹل بیرئر آرڈر یا ڈرافٹ)
نارتھ امریکہ: فی شمارہ 2 ڈالر
سالانہ 24 ڈالر

## ابو یحییٰ کے قلم سے



P.O Box-7285, Karachi.
فون: 0332-3051201, 0345-8206011
ای میل: globalinzaar@gmail.com
web: www.inzaar.pk

# زمین کا ٹائی ٹینک

بحری سفر کی تاریخ میں ٹائی ٹینک جہاز کے ڈوبنے کا واقعہ سب سے ہولناک واقعہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ حادثہ تقریباً ایک صدی قبل 15 اپریل 1912ء کی رات اس وقت پیش آیا جب جہاز اپنے پہلے سفر ہی میں ایک آئس برگ سے ٹکرا گیا۔ ٹائی ٹینک اپنے وقت کا سب سے بڑا بحری جہاز تھا۔ اس جہاز پر دو ہزار سے زائد مسافر سوار تھے، تاہم ناکافی کشتیوں اور بدانتظامی کی بنا پر پندرہ سو سے زائد مسافر ہلاک ہو گئے اور صرف سات سو کے قریب بچ سکے۔

ٹائی ٹینک کے حادثے میں بچنے والوں میں سب سے کم عمر ایک دو ماہ کی بچی تھی جس کا نام Millvina Dean تھا۔ یہ کم عمر بچی ہی بچنے والوں میں سب سے زیادہ عرصے تک زندہ رہی اور 31 مئی 2009 کو ستانوے برس کی عمر میں اس کا انتقال ہو گیا۔

ٹائی ٹینک کا حادثہ اس زمانے پر پیش آیا جب مغربی تہذیب نے انسانی تاریخ کا سب سے بڑا انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ صنعتی دور کی ان گنت ایجادات، سماجی سائنس کے نظریات اور اہل مذہب کی غلط تاویلات نے مذہب ہی نہیں، خدا کے خلاف بھی بغاوت کی ایک کیفیت پیدا کر دی تھی۔ مگر ایسے میں ناقابل شکست ٹائی ٹینک کا غیر متوقع طور پر ڈوب جانا ایک یاددہانی بن کر سامنے آیا کہ یہ دنیا خدا کی ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی نہیں آ سکتا۔ اس دنیا میں خدا کسی "آئس برگ" کے پردے میں اپنا کام کرتا ہے۔ مگر موت کے بعد ہر انسان اپنی آنکھوں سے دیکھے گا کہ خدا ہی اس دنیا کا تنہا بادشاہ تھا۔

ٹائی ٹینک کا واقعہ زبان حال سے بتاتا ہے کہ قرآن کی پیش گوئی کے عین مطابق یہ زمین بھی ایک روز کسی نہ کسی "آئس برگ" کی زد میں آ کر تباہ ہو جائے گی۔ اس کے بعد ہر انسان خدا کے حضور پیش ہو کر اپنے اعمال کا جواب دے گا۔ کسی انسان کے لیے اس حقیقت سے فرار ممکن نہیں۔ چاہے وہ سو برس کی عمر پالے۔ چاہے وہ زمین کے ٹائی ٹینک پر کتنی ہی من مانی کر لے۔

# سویلین بالادستی اور قانون کی بالادستی

پچھلے کچھ برسوں سے پاکستان میں سویلین بالادستی کا بہت شور ہے۔اسے تمام سیاسی اور اسی کے ذیل میں دیگر مسائل کے حل کا بنیادی ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔تاہم حقیقت یہ ہے کہ سویلین بالادستی پاکستان کے کسی مسئلے کا حل ہوتی تو پاکستان کے مسائل 1971ء سے 1977ء کے درمیان میں حل ہوچکے ہوتے جب سویلین بالادستی آخری درجہ میں قائم تھی۔حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کا اصل مسئلہ قانون کی بالادستی کا نہ ہونا ہے۔جس روز یہ مسئلہ حل ہوگیا سارے مسائل حل ہوجائیں گے۔

قانون کی بالادستی کیا ہے؟ یہ اس حقیقت کو ماننے کا نام ہے کہ کوئی سویلین ہو یا غیر سویلین، جنرل ہو یا جج ہو، طاقتور ہو یا کمزور ہو؛ سب پر قانون کے مطابق چلنا فرض ہے۔ جو شخص اس اصول کی خلاف ورزی کرے گا، وہ ہر عوامی اور سرکاری عہدے کے لیے نااہل ہوجائے گا۔

مگر ہمارے ملک کی حقیقت یہ ہے کہ یہاں ہر طاقتور انسان چاہے وہ کسی بھی عہدے پر ہو، اپنے مفاد کے لیے قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے۔حتیٰ کہ اس ملک کے جج اور وکیل بھی قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔اس پارلیمنٹ کے اراکین جو قانون کا سرچشمہ ہے، وہ لوگ بھی قانون کی دھجیاں بکھیرتے ہیں۔ جہاں قانون کے رکھوالوں کی صورتحال یہ ہو وہاں کسی اور سے قانون کی پاسداری کی کیا توقع کی جاسکتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سویلین بالادستی بھی قانون کی بالادستی ہی کا لازمی نتیجہ ہے۔ کیونکہ قانون یہی کہتا ہے کہ معاشرے میں سویلین کی بالادستی قائم ہونی چاہیے۔مگر خود سویلین کو مادر پدر آزاد نہیں چھوڑا جاسکتا۔طاقت ملنے پر یہ خود بھی کم فرعون ثابت نہیں ہوتے۔اس لیے جو عوام کا بھلا چاہتے ہیں انھیں قانون کی بالادستی کی بات کرنا چاہیے۔ ورنہ سویلین بالادستی قائم ہو بھی گئی تو فسطائیت اور ظلم کی ایک نئی شکل کے سوا ہمیں کچھ نہیں ملنا۔

# کوے اور پرندے

فطرت، اپنے بنانے والے کا تعارف آپ ہے۔ یہ تعارف ہے صانع فطرت کی خلاقیت کا، اس کے حسن کا، اس کی قدرت کا، اس کی ربوبیت کا، اس کی حکمت کا......اور......اور اس کی ختم نہ ہونے والی صفات کا۔ جس بندے کو اپنے مالک سے دلچسپی ہو، اسے اس کی بنائی ہوئی فطرت سے خود بخود دلچسپی ہو جاتی ہے۔

اسے دلچسپی ہو جاتی ہے...... چمکتے چاند سے...... دمکتے تاروں سے...... پیلے سورج سے...... نیلے امبر سے...... خاک کو سبزے کی قبا پہناتے درختوں سے......ان پر کھلتے ہوئے پھولوں سے...... پتوں سے......شاخوں سے......اور ان پر گھونسلے بناتے...... چہچہاتے ...... گنگناتے پرندوں سے۔

اِس مشت خاک کو بھی فضا میں اڑتے پرندوں نے ہمیشہ اپنی سمت متوجہ کیا ہے۔ چڑیا، فاختہ، طوطا، مینا، بلبل، کبوتر، پدی، کم کم نظر آنے والے مختلف رنگ برنگے پرندے اور فضا میں رس گھولتی کوئل۔ بچپن کے دنوں میں جب ہر گھر کے آنگن میں ایک درخت ہوتا تھا...... ہر مکان کے باہر پھلواری ہوتی تھی...... ہر گلی میں قسم قسم کے درجنوں درخت لگے ہوتے تھے......ناریل سے لے کر پیپل تک، آم سے لے کر گوندنی تک، جنگل جلیبی سے لے کر نیم تک، بادام سے لے کر چیکو تک درختوں کی آبادیاں تھیں جو ختم نہیں ہوتی تھیں......تب ان درختوں پر پھلوں، پھولوں، پتوں، رنگوں کے ساتھ ان سارے پرندوں کا بسیرا ہوتا تھا۔

پھر آبادی بے ہنگم طریقے پر بڑھنے لگی۔ درخت گھٹنے لگے۔ ہم اپنے گھر بناتے گئے۔ پرندوں کے گھر ڈھاتے گئے۔ وہ بے زبان کیا احتجاج کرتے۔ کچھ مر گئے۔ باقی ہجرت کر گئے۔ وہ درخت اب ڈھونڈے بھی نہیں ملتے جن پر شام کے وقت چڑیوں کا شور سماں باندھ

دیا کرتا تھا۔ وہ پرندے اب ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتے جن کا رنگ صانع قدرت کی صناعی کا شاہکار ہوتا تھا۔ شاعر کی ہمراز بلبل، امن کی سفیر فاختہ، اچھلتی پھدکتی ہوئی پدیاں، معصومیت کا شاہکار کبوتر، گنگناتی کوئل، چہچہاتی چڑیاں......سب ماضی کا قصہ ہو گئیں۔

اب تو فضا میں ایک ہی پرندہ رہ گیا ہے۔ ایک سخت جان، چالاک، شکاری پرندہ۔ جس کی کائیں کائیں ہی اس کا سب سے بڑا تعارف ہے۔ یہ کائیں کائیں کانوں کے پردوں کو ہمیشہ بھاری ہی لگی۔ مگر اب سننے کے لیے یہی آواز ہے۔ اس لیے کہ ہم نے ہر دوسرے پرندے پر زندگی کی راہیں مسدود کر دی تھیں۔ فطرت کا توازن بگاڑ دیا تھا۔

جو رہے سہے معصوم پرندے بچے تھے، ان پر کائیں کائیں کرتے شکاری کوے حملہ آور ہو گئے۔ ان کے گھونسلوں کو اپنا ہدف اور ان کے انڈوں اور بچوں کو اپنی خوراک بنالیا۔ وہ جہاں امید کا گھونسلہ بناتے، سیاہ کوے ان کی امیدوں کو ختم کرنے کے لیے آ پہنچتے۔ فطرت کا توازن بگڑ چکا تھا۔ اس لیے اب فضا میں صرف کوے نظر آتے ہیں، باقی پرندے نہیں۔

ہمیں شاید ان پرندوں کی بد دعا لگی ہے۔ ہمارے معاشرے پر اب ہر طرف سے کائیں کائیں کرتے ''کوے'' ہی مسلط ہیں۔ یہ ''کوے'' سرشام میڈیا پر امید کے ہر چراغ کو گل کرتی گفتگو کرتے رہتے ہیں۔ یہ ''کوے'' صبح دم اخبارات کی سیاہی میں منفی سوچ کا شور مچائے رہتے ہیں۔ باقی تمام وقت سوشل میڈیا کی دیواروں پر بیٹھے مزید کچھ ''کوے'' اپنی ''کائیں کائیں'' سے مایوسی، اضطراب اور بے چینی پیدا کیے رہتے ہیں۔

اب وقت آ گیا ہے کہ اس معاشرے کے باقی ماندہ ''پرندے'' مل کر اپنی بقا کی جنگ لڑیں۔ اس سے پہلے کہ مایوسی اور اضطراب پھیلاتے یہ کوے ''پرندوں'' کی اگلی نسلوں کو اپنی منفی سوچ کا نوالہ بنالیں، ''پرندوں'' کو مل کر امید کے ہتھیار سے ان کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ یہی پرندوں کے نام اِس مشت خاکی کا پیغام ہے۔

# خدا، ارتقا اور جنس کا امتحان

ہماری دنیا اور اس میں موجود ہر چیز اپنی ساخت اور کارکردگی کے لحاظ سے حکمت کا شاہکار ہے۔ مگر منکرین خدا کے سامنے جب کائنات کی ہر ہر چیز کی تخلیقی حکمت رکھی جاتی ہے تو وہ شان بے نیازی سے یہ کہتے ہوئے آگے بڑھ جاتے ہیں کہ یہ ارتقا نے کیا ہے۔

مثلاً مردوزن کے جوڑے کی شکل میں تخلیق ایک ایسا معجزہ ہے جس پر انسان جتنا غور کرے، اس کی حیرت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ مثلاً انسانی جوڑا جانوروں کی طرح صرف اولاد حاصل کرنے کے لیے اکٹھا نہیں ہوتا۔ انسانوں میں جنسی جذبہ انتہائی غیر معمولی ہے۔ یہ جذبہ انھیں مجبور کرتا ہے کہ وہ اولاد حاصل کرنے کے مقصد کے علاوہ بھی مستقل طور پر ایک دوسرے کے ساتھ رہیں۔ ان کا یہ ساتھ ایک خاندان کو جنم دیتا ہے۔

یہ خاندان ایک دوسری انسانی ضرورت کو خود بخود پورا کر دیتا ہے جس کی کسی اور جانور کو ضرورت نہیں۔ وہ یہ کہ انسانی بچپن کسی بھی جانور سے زیادہ طویل ہوتا ہے۔ خاندان کی چھتری ان بچوں کو وہ تحفظ دیتی ہے جس کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتے۔ یوں مردوزن کی جبلت میں موجود باہمی کشش حیرت انگیز طور پر ایک اہم انسانی ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ اس سے بھی زیادہ عجیب بات ہزارہا برس سے مردوزن کا کم وبیش برابر کی تعداد میں دنیا میں موجود رہنا ہے جس کے بغیر جوڑے بن نہیں سکتے۔

ایک منکر خدا کے سامنے جب اس جوڑے میں رکھی گئی حکمتیں آتی ہیں تو ان پر غور کرنے کے بجائے ارتقا کا لفظ بول کر مطمئن ہو جاتا ہے۔ جیسے ایک ڈاکومنٹری میں ایک مغربی اسکالر کو اس حوالے سے اس طرح گفتگو کرتے ہوئے سنا۔

وہ فرماتے تھے کہ تمام انسان اپنی حیاتیاتی ساخت میں جوڑے کی شکل میں بنے ہیں۔ انھی جوڑوں سے وہ بچے جنم لیتے ہیں جن کے بغیر انسانیت کچھ عرصے میں فنا ہو جائے گی۔ مگر (انسانوں اور خاص کر مردوں میں جنس کی بنا پر دوسری عورتوں میں دلچسپی لینے، زنا وغیرہ کا جواتنا

زیادہ رجحان پایا جاتا ہے اس کی وجہ سے ) یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ (جس ارتقا نے یہ جوڑے بنائے ہیں )، اس ارتقا نے ہمیں عمر بھر ایک دوسرے سے سوفی صد وفادار رہنے کا جذبہ کیوں نہیں دیا تا کہ ہماری خارجی جنسی دلچسپیاں خاندان کے ادارے کو نقصان پہنچانے کا باعث نہ بنتیں۔

ان کے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ ہو جاتا تو پھر کسی ایک فریق کی قبل از وقت موت کے بعد جو زمانہ قدیم کا معمول تھا، انسانوں کی ایک بڑی تعداد ہمیشہ تنہا رہنا پسند کرتی جو نسل انسانی کے لیے باعث ضرر ہوتا۔ اسی سے بچنے کے لیے اس نظام میں یہ لچک پائی جاتی ہے۔

اس گفتگو کو دوبارہ پڑھیے اور دیکھیے کہ کس اطمینان سے حکمتوں سے بھرے اس نظام کو ایک اندھے بہرے ارتقا کی تخلیق قرار دے دیا گیا۔ مگر درحقیقت یہ عمل کچھ نہیں، خدا کی تخلیق کو ارتقا کی طرف منسوب کرنے کی وہی قدیم روایت ہے جو مشرکین کے ہاں بتوں کے حوالے سے پائی جاتی تھی۔ یعنی جو کچھ خدا کرتا ہے وہ سب اطمینان سے اندھے بہرے بتوں کی طرف منسوب کر دیا جاتا۔ دور جدید میں اب یہی ''خدمت'' ارتقا سے لی جا رہی ہے۔

مگر سوال یہ ہے کہ اول تو بے شعور مادہ اور ارتقا اتنا حکیمانہ نظام کیسے بنا سکتا ہے؟ اور اگر بنا سکتا تو بہتر ہوتا کہ اس پیچیدہ نظام کے بجائے ایک سادہ نظام بنا تا جس میں مرد و زن کے جوڑے کے بجائے تنہا مرد یا عورت میں خود اپنے آپ کو بڑھانے کی صلاحیت ہوتی۔ اس نظام میں کبھی کوئی مسئلہ ہی پیدا نہ ہوتا۔ یا جوڑوں کا نظام بنا بھی دیا تھا تو انسانوں کو جانوروں کی طرح بنایا جاتا اور ان میں وہ اخلاقی شعور رکھا ہی نہ جاتا جو جنسی بے راہ روی کو برا سمجھتا ہے۔ ان جیسے ان گنت سوالات ہیں جو اندھے بہرے مادے سے جنم لینے والے ارتقا کے تصور پر کیے جا سکتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ خدا کی ہستی ہے جس نے اپنی بے پناہ قدرت اور حکمت سے یہ کائنات بنائی۔ اس میں ہر طرف اپنی رحمت اور ربوبیت کے آثار رکھ دیے۔ یہ سب اس لیے کیا گیا تھا کہ لوگ بن دیکھے خدائے رحمان پر ایمان لاتے۔ اس کی قدرت پر اس کی کبریائی، اس کی حکمت پر

اس کی پاکی، اس کی رحمت پر اس کی حمد اور اس کی ربوبیت پر اس کی خوبی بیان کرتے۔

جو لوگ یہ کام کرتے ہیں خدا ان پر کائنات کی مزید حکمتیں کھولتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ یہ کائنات ایک روز انسان کو ابدی طور پر بطور انعام دے دی جائے گی۔ شرط یہ ہے کہ انسان خدا کے اس امتحان میں کامیاب ہو جائے جس میں اسے خدائے عظیم کو اپنی عقل سے دریافت کرنا اور اپنے اختیار و خواہش کو اس کے سامنے سرنگوں کرنا ہے۔ اس کی ایک مثال جنسی خواہش کے منہ زور گھوڑے کو قابو رکھنے اور میاں بیوی کے تعلق تک محدود رکھنے کا امتحان ہے۔ امتحان کی یہی وہ مصلحت ہے جو مذکورہ بالا سائنسدان نہیں بیان کر سکا۔

یہ نظام انسانوں کے امتحان کے لیے بنایا گیا ہے۔ اس لیے جوڑوں کے انتہائی پیچیدہ نظام کو بنا کر اس جنسی بے راہ روی کا امکان کھلا چھوڑ دیا گیا۔ مگر جانوروں کے برخلاف انسان میں وہ اخلاقی حس رکھ دی گئی جس کی بنا پر انسان جنسی بے راہ روی کو برا سمجھتا ہے۔ اور کوئی مرد و زن ایسے جوڑے میں رہنا پسند نہیں کرتا جہاں دوسرا شخص دغا باز ہو۔

انسانی جوڑے میں جنس کا یہ بے لگام جذبہ رکھا گیا ہے تاکہ خاندان وجود میں آجائے۔ مگر اسی بے لگام جذبے کی بنا پر انسان جوڑے سے باہر دلچسپی لینے کا رجحان رکھتے ہیں۔ اس کی ایک مصلحت تو پیچھے گزری کہ یہ نہ ہوتا تو فریق ثانی کی موت کے بعد ہر انسان تنہا رہتا۔ مگر دوسری زیادہ بڑی مصلحت امتحان ہے کہ جو شخص اپنی شدید خواہش کے باوجود جنسی تعلق کو میاں بیوی کے بندھن تک محدود رکھے گا، وہی ابدی طور پر کائنات کی بادشاہی کا انعام پانے کا حقدار ہوگا۔ وہ اس جنت میں ایسے جوڑوں کی شکل میں رہے گا جو ہمیشہ ایک دوسرے کے وفادار رہیں گے۔

کہاں ارتقا کی وہ بے سروپا کہانی اور کہاں خدا کی یہ حکیمانہ تخلیق ہے جس میں دنیا کی فانی زندگی کا جوڑا آخرت کی ابدی زندگی ہے۔ اب جس کا جی چاہے خدائے رحمان پر ایمان لائے اور جس کا جی چاہے خدا کی جگہ ارتقا کا نام لے کر اپنے آپ کو بے وقوف بناتا رہے۔

# جنگ اور امن کی قیمت

فرانس کے ایک سیاستدان نے دوسری جنگ عظیم سے پہلے کہا تھا:

War is too serious a matter to entrust to military men

مفہوم یہ ہے کہ جنگ جیسا سنجیدہ معاملہ فوجیوں پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ یہ حالات کی ستم ظریفی ہے کہ دوسری جنگ عظیم سے پہلے ایک جرمن فوجی یعنی ہٹلر سیاسی عمل کے ذریعے اقتدار میں آ گیا۔ جس کے بعد اس نے پوری دنیا کو اس جنگ میں جھونک دیا جس میں کروڑوں لوگ مارے گئے۔

تاہم حقیقت یہ ہے کہ کسی فوجی کے اقتدار میں آنے سے کہیں زیادہ خطرناک کسی انتہا پسند کا اقتدار میں آنا ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے ہندوستان میں پچھلے کافی عرصے سے انتہا پسند بی جے پی اقتدار میں ہے۔ 2019ء کی دوسری سہ ماہی میں ہندوستان میں عام انتخابات ہونے ہیں۔ ان انتخابات سے قبل نومبر 2018ء میں ہونے والے ریاستی انتخابات میں انتہا پسند حکمران جماعت بی جے پی کو متعدد اہم ریاستوں میں برسوں سے مردہ کانگریس کے ہاتھوں شکست اٹھانی پڑی۔ اس کے بعد یہ متوقع تھا کہ دہشت گردی کا کوئی نہ کوئی بڑا واقعہ ہندوستان یا کشمیر میں کہیں ہوگا اور پھر انڈیا کی طرف سے وہ فضا بنادی جائے گی جس کے بارے میں ایک ہندوستانی شاعر نے کہا ہے۔

سرحدوں پر تناؤ ہے کیا
کچھ پتہ تو کرو چناؤ ہے کیا

اس پس منظر میں چودہ فروری کے دن پلوامہ، مقبوضہ کشمیر میں فوجیوں کے ایک قافلے پر حملہ ہوا جس میں چالیس بھارتی فوجی مارے گئے۔ جس کے بعد صورتحال یہ ہے کہ بھارت میں ایک جنگی فضا بنادی گئی ہے۔ اس جنگی جنون کا اصل مقصد بظاہر الیکشن میں کامیابی ہے۔ دو ایٹمی

طاقتوں کے درمیان جنگ کی باتیں کرنا آسان ہے، جنگ کرنا نہیں۔

تاہم جب انتہا پسند لوگ حکومت میں ہوں تو کچھ بھی ہوسکتا ہے۔اپنے لوگوں میں جنگی جنون پیدا کرنے کے بعد اسے ٹھنڈا کرنا آسان نہیں ہوتا۔اس جنون میں محدود فوجی کارروائی کبھی بھی کسی بڑی جنگ میں تبدیل ہوسکتی ہے۔ایسا ہوا تو غربت میں پسے ہوئے برصغیر کو شمشان گھاٹ میں بدلنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔

یہ وہ چیز ہے جسے سرحد کے دونوں طرف موجود انتہا پسند نہیں سمجھتے۔برصغیر نے ابھی تک صرف محدود سرحدی جنگیں دیکھی ہیں۔ابھی یہاں کے لوگوں نے شہروں کو قبرستان میں بدلتے اس طرح نہیں دیکھا جس طرح پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں یورپ یا جاپان نے دیکھا تھا۔اس لیے یہاں کے لوگ موت اور جنگوں کو بڑا گلیمرائز کرتے ہیں۔وہ سمجھتے ہیں کہ یہ کرکٹ کے کھیل کی طرح ہے جس میں بڑا مزہ آتا ہے اور جوش وجذبے کو تسکین ملتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جنگ مکمل بربادی کا نام ہے۔یہ جان، مال اور آبرو کے لٹنے کا نام ہے۔ یہ شہروں کے کھنڈر بن جانے، گھروں کے ملبہ بن جانے، لاشوں کے قیمہ بن جانے کا نام ہے۔ یہ بیٹیوں کے سرعام بے آبرو کیے جانے، بیٹوں کی لاشیں اٹھانے اور ماؤں کی آسمان تک بلند ہوتی چیخوں کا نام ہے۔

انتہا پسند سیاستدانوں اور فوجی جرنیلوں کے لیے جنگ کھیل ہوتی ہے۔وہ خود آرام سے رہتے ہیں اور (Collateral Damage) کے نام پر دوسروں کی زندگی برباد کردیتے ہیں۔ ایسے میں جب سوشل میڈیا نے عام لوگوں کو آواز دے دی ہے تو ان پر فرض ہے کہ ایسی تباہی سے پہلے آگے آئیں اور امن کی آواز بلند کریں چاہے اس کی کوئی بھی قیمت دینی پڑے۔کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ امن کی آخری قیمت جنگ کی ابتدائی قیمت سے بھی بہت کم ہوتی ہے۔

# سنہری موقع

## کیا ہمارے اقتدار کے ایوانوں میں کچھ معقول لوگ موجود ہیں؟

پلوامہ حملے کے بعد انتہا پسندی کے شکار بھارتی سیاستدانوں اور میڈیا نے جو جنگی جنون بھڑکایا تھا اس کا نتیجہ سرجیکل سٹرائیک کی شکل میں نکل آیا ہے۔ اب ایک راستہ غصے اور جذبات میں آ کر جنگ کرنے کا ہے جس سے تباہی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ دوسرا راستہ خاموش رہنے کا ہے جس سے بھارتی انتہا پسندوں کا حوصلہ بڑھے گا۔

مگر ایک تیسرا راستہ بھی ہے۔ یہ راستہ اگر اختیار کرلیا جائے تو نہ صرف بھارتی انتہا پسندوں کو لگام ڈالی جاسکتی ہے بلکہ مسئلہ کشمیر حل کرنے کی راہ بھی کھل سکتی ہے۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ اس وقت بھارتی حکومت جذبات میں آ کر ایک حماقت کر چکی ہے۔ وہ یہ کہ انھوں نے پاکستان کی سرحد کے اندر گھس کر ہوائی حملہ کیا ہے جو 1971ء کی جنگ کے بعد پہلا واقعہ ہے۔ اس سے قبل کارگل کی جنگ میں بھی یہ نوبت نہیں آئی تھی۔

بھارت نے نہ صرف یہ حملہ کیا بلکہ ان کے دفتر خارجہ نے اس کی ذمہ داری قبول بھی کی ہے۔ اب صورتحال یہ ہے کہ جو الزام وہ پاکستان پر لگا رہے کہ پلوامہ حملے میں پاکستان ملوث ہے، اسے ثابت کرنا آسان نہیں۔ مگر ان کی جارحیت ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔ یہی وہ چیز ہے جسے لے کر پاکستان اگر اچھی سفارتی حکمت عملی بنائے تو بھارت کو شدید مشکلات کا شکار کرسکتا ہے۔

یہ قدرت کا دیا ہوا نادر موقع ہے جو بھارتیوں کی جذباتیت کی بنا پر پاکستان کو مل چکا ہے۔ یہی موقع ہے کہ بھارت کے خلاف زبردست سفارتی جنگ کا آغاز کیا جائے۔ کشمیر کے مسئلے کو دنیا کے سامنے اجاگر کیا جائے۔ سوال بس یہ ہے کہ کیا ہمارے اقتدار کے ایوانوں میں کچھ معقول لوگ موجود ہیں؟ اگر ہیں تو جان لیں کہ قدرت نے انھیں مسئلہ کشمیر حل کرنے کا شاید آخری موقع دے دیا ہے۔

# کاش کوئی انھیں بتادے

ہم پوسٹ ٹرتھ کے جس دور میں زندہ ہیں اس میں اصل حقائق میڈیا کی طاقت کے بل بوتے پر نگاہوں سے اوجھل کردیے جاتے ہیں۔ بھارتی میڈیا نے بھی کچھ حقائق اپنے عوام کی نگاہوں سے اوجھل کرر کھے ہیں۔کاش کوئی شخص بھارتی عوام اور انتہا پسندوں تک یہ حقائق پہنچادے۔

پاکستان انڈین گجرات نہیں ہے۔ پاکستان مقبوضہ کشمیر بھی نہیں ہے۔پاکستان بھارت کے مقابلے میں نسبتاً کمزور سہی، مگر بہرحال ایک ایٹمی قوت ہے۔اس کے پاس جو ایٹمی ہتھیار ہیں وہ انڈیا کے ہر حصے کو نشانہ بنا سکتے ہیں۔اس کے پاس چھوٹے ایٹمی ہتھیار بھی ہیں جو شہروں کے بجائے کسی فوج کو میدان جنگ میں تباہ کردیتے ہیں اور ان کو وہاں تک پہنچانے والا میزائل کا نظام بھی ہے۔

پاکستان فوجی اور اس سے کہیں بڑھ کر معاشی طور پر انڈیا سے بہت پیچھے ہے۔مگر اس میں خوش ہونے کی کوئی بات نہیں۔یہی وہ سبب ہے جس کی بنا پر پاکستان جنگ کی ابتدا ہی میں چھوٹے ایٹمی ہتھیار استعمال کرنے پر مجبور ہوگا۔چھوٹے کے بعد بڑا ایٹمی ہتھیار استعمال ہوتے دیر نہیں لگے گی۔

اس لیے بھارتی انتہا پسند صورتحال کی نزاکت کو محسوس کریں۔معاملات کو وہاں تک نہ لے کر جائیں جہاں جنگ کسی کے کنٹرول میں نہیں رہتی۔ جنگ ہمیشہ چھوٹے چھوٹے واقعات سے شروع ہوتی ہے اور پھر اپنے فیصلے خود کراتی ہے۔آپ زیادہ سے زیادہ پاکستان کے تمام شہروں پر ایٹم بم مار کر انھیں تباہ کردیں گے۔مگر اس سے پہلے آپ کے تمام اہم شہر بھی شمشان گھاٹ میں بدل چکے ہوں گے۔اس لیے جنگ کا راگ الاپنے کے بجائے امن کو موقع دیجیے۔

آخری بات پاکستانی انتہا پسندوں سے۔اس خطے میں اب جب بھی جنگ ہوگی، ایٹمی جنگ ہوگی۔جس کے بعد صرف قبرستان باقی بچیں گے۔اور قبرستان میں جشن منانے کے لیے کوئی باقی نہیں رہتا۔اس لیے مہربانی کرکے جنگ کی باتیں کرنا بند کردیں۔

# اللہ کی مدد، اللہ کی مہلت

ہندوستان اور پاکستان کے حالیہ تنازعے میں واضح طور پر پاکستان کا فوجی اور اخلاقی محاذ پر پلہ بھاری رہا ہے۔ اس کو لے کر پاکستانی میڈیا اور سوشل میڈیا ہر جگہ اپنی کامیابی کا ذکر کر رہا ہے اور بھارت کی رسوائی کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ تاہم یہ صورتحال کو دیکھنے کا بالکل غلط زاویہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور عنایت ہے کہ اس نے ہماری مدد کی اور اس خطے کو ایک بہت بڑی تباہی سے بچالیا۔

تاہم سمجھنا چاہیے کہ یہ ایک عارضی مہلت ہے۔ اگر ہم نے اسلام کا علمبردار بننے کے باوجود ایمان و اخلاق کی پامالی کی روش نہ چھوڑی تو اس کے اچھے نتائج نہیں نکلیں گے۔ جو قوم دنیا میں خدا کے نام پر کھڑی ہو اور پھر بھی ایمان و اخلاق کے تقاضوں کو پامال کرے، وہ ہمیشہ خطرے میں رہتی ہے۔ اس لیے اصل صورتحال کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ اسے نہیں سمجھا گیا تو جلد یا بدیر بڑی تباہی ہمارا رخ کر سکتی ہے۔

زمینی حقیقت یہ ہے کہ انڈیا کا دفاعی بجٹ ساڑھے باون ارب ڈالر ہے جو پاکستان کے مقابلے میں پانچ گنا زیادہ ہے۔ حال ہی میں انڈیا نے دفاعی اخراجات میں برطانیہ کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ روایتی جنگ کے ہر شعبے میں بھارت پاکستان سے آگے ہے۔ اپنی اسی طاقت کے پیش نظر بھارت میں حکومتی جماعت بی جے پی کے انتہا پسند لیڈروں کا خیال تھا کہ الیکشن کی متوقع شکست سے بچنے کے لیے پاکستان سے ایک محدود جنگ چھیڑ دی جائے۔

پلوامہ کے واقعے نے انھیں یہ موقع فراہم کر دیا۔ جس کے بعد پہلے مرحلے میں بی جے پی کے زیر اثر نیشنلسٹ اور انتہا پسند بھارتی میڈیا نے بھارت میں ایک جنگی جنون پیدا کر کے قوم کو جنگ کرنے پہ آمادہ کر دیا۔ ہمارے میڈیا نے ان اہم دنوں میں قوم کو سعودی شہزادے کے

استقبال اوران سے ملنے والی امداد میں لگا رکھا تھا۔ جبکہ بھارت کا خیال تھا کہ شہزادے کے اس خطے سے جاتے ہی وہ پاکستان کے اندر گھس کر حملہ کریں گے۔ جس کے بعد پاکستان کا جوابی حملہ یقینی تھا۔ جو ایک محدود سرحدی جنگ چھیڑنے کا بھرپور جواز بن جائے گا۔

دونوں ممالک کے پاس چونکہ ایٹمی اسلحہ ہے اس لیے بڑی طاقتیں فوراً مداخلت کریں گی۔ ان کے زبردست دباؤ کی بنا پر چند دنوں بعد جنگ ختم ہوجائے گی۔ اس محدود جنگ میں ایک طرف پاکستان کی کمزور معیشت مزید برباد ہوجائے گی اور دوسری طرف بھارت کا انتہا پسند اور انتہائی طاقتور الیکٹرونک میڈیا جو ہزار کے قریب ٹی وی چینلز پر مشتمل ہے اس جنگ کو بھارت کی فتح بنا کر پیش کرے گا۔ یوں مودی سرکار اپریل، مئی 2019 کے الیکشن میں جنگی ہیرو کے طور پر اتریں گے اور جنتا کے ووٹوں کے حقدار ٹھہریں گے۔

اس منصوبے کے تحت بالاکوٹ کے قریب فضائی حملہ کیا گیا۔ اس کے بعد پورے بھارت میں فتح ونصرت کے شادیانے جس طرح بجائے گئے، اس سے ہر وہ شخص آگاہ ہے جس نے اس دن ہندوستانی چینلز کو دیکھا تھا۔ حسب توقع اگلے دن پاکستان نے جوابی حملہ کیا۔ اس حملے میں بھارت کو جو کچھ بھی نقصان ہوا وہ ہاتھی جیسے جسم کی فوجی طاقت کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔

مگر یہی وہ وقت تھا جب اللہ تعالیٰ کی دستگیری نے ظہور کیا اور بھارتیوں سے ایک بنیادی غلطی کرادی۔ روایتی فوجی طاقت میں فضائیہ وہ جگہ ہے جہاں پاکستان تعداد میں نہ سہی مگر کوالٹی میں بھارت کے برابر ہے۔ انھوں نے اس فضائی جنگ میں پاکستان کے جدید طیاروں کے مقابلے میں اپنے بہترین طیاروں کے ساتھ پرانے مگ 21 بھی ہوا میں اڑادیے۔ چنانچہ بھارت کے دو طیارے گرادیے گئے۔ اللہ کی مدد سے ان میں سے ایک مگ 21 طیارہ نہ صرف پاکستانی حدود میں گرا بلکہ اس کا پائلٹ بھی پاکستانیوں کے ہاتھ آ گیا۔

اس کے بعد بھارتی حکومت اور میڈیا نے بات سنبھالنے کی بہت کوشش کی مگر معاملات ان کے ہاتھ سے نکل گئے۔ سوشل میڈیا کے ذریعے سے اس پائلٹ کی گرفتاری، پٹائی اور پھر پاکستان کی قید میں بنائی گئی ویڈیو ہر بھارتی تک پہنچ گئی۔ دوسری طرف بھارتی میڈیا کے پاس نہ 350 دہشت گردوں کو ایبٹ آباد میں مارے جانے کا کوئی ثبوت تھا نہ اپنے عوام کو دکھانے کے لیے کوئی پاکستانی پائلٹ یا کسی F-16 کا ملبہ تھا۔ تنہا اس ایک بات نے بھارتی میڈیا کے پھلائے گئے جنگی جنون کے غبارے سے ہوا نکال دی۔ پوری بھارتی قوم آن واحد میں بیک فٹ پر چلی گئی۔ قوم کی آمادگی کے بغیر بھارت جیسے جمہوری ملک میں کوئی جنگ شروع کرنا عملاً ناممکن ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ اس کے بعد اگلی رات میزائل حملے کا ایک منصوبہ انڈیا نے بنایا، مگر ایک دفعہ پھر یہ غلط میدان جنگ تھا جہاں پاکستان کا پلڑا ہندوستان سے بھاری تھا۔ چنانچہ اس پر عمل کی ہمت بھارت کو نہ ہو سکی۔

بھارت کی اس ہمت کو ختم کر دینے والی اصل چیز وہ نفسیاتی شکست تھی جو انڈیا کو پہلے ہی ہو چکی تھی۔ اگر بھارتی پائلٹ نہ پکڑا جاتا یا انڈیا پاکستان کا کوئی پائلٹ گرفتار کر لیتا یا کسی جہاز کا ملبہ دکھانے میں کامیاب ہو جاتا تو بھارت کا جنگی جنون عروج پر پہنچ جاتا۔ پھر جنگ چھڑنے سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی تھی جو کسی بڑی تباہ کن جنگ میں بھی تبدیل ہو سکتی تھی۔ جنگ چھوٹی ہوتی یا بڑی، اس میں انڈیا کا کم نقصان ہوتا یا زیادہ، پاکستان کے لیے انتہائی خوفناک اور تباہ کن ثابت ہوتی۔ یہ وہ صورتحال تھی جسے اللہ تعالیٰ نے ایک چھوٹی سی بات سے یعنی بھارتی پائلٹ کو زندہ گرفتار کروا کر پیدا ہونے سے روک دیا۔

سوال یہ ہے کہ اللہ کی یہ مدد کیا ہمارے اعلیٰ اخلاقی کردار کا نتیجہ ہے یا دین حق کے لیے ہماری خدمات کا نتیجہ ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک مہلت ہے جو ایک ایسی قوم کو دی گئی ہے

جس میں نہ دوا خالص ملتی ہے نہ غذا۔ ایک ایسی قوم جس کے حکمرانوں سے کہیں زیادہ کرپٹ اس کے عوام ہیں۔ ایک ایسی قوم جس میں مذہب کے نام پر دہشت گردوں نے ہزاروں لوگوں کو قتل کیا اور اس سے زیادہ کو زخمی اور معذور کر دیا گیا۔ ایک ایسی قوم جہاں فرقہ واریت اور انتہا پسندی کی طرف بلانے والے قوم کے رہبر ہیں اور حق کی طرف بلانے والوں کو جھوٹے پروپیگنڈے، جلا وطنی اور قتل کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

تاہم اس کے باوجود ہمیں مہلت دی گئی ہے۔ صرف اس لیے دی گئی ہے کہ ہماری قوم مجموعی طور پر اللہ اور رسول سے محبت کرنے والی ہے۔ اس میں ابھی بھی خیر کا بہت جذبہ ہے۔ ان کا مسئلہ یہ ہے کہ ان کو درست بات بتائی نہیں گئی۔ اسلام کا نام بہت لیا گیا، مگر اسلام کی اصل دعوت جو ایمان واخلاق کی دعوت ہے، پوری طرح پیش نہیں کی گئی۔ جب تک یہ نہیں ہوتا اسلام کا نام لینے اور اسلام سے محبت کی بنا پر مہلت ملنا ایک قوم کا حق ہوتا ہے۔

تاہم جب ایمان واخلاق کی دعوت کو سننے کے بعد بھی لوگ اپنے تعصّبات کو نہ چھوڑیں۔ اپنے اعمال کی اصلاح نہ کریں۔ اپنے اخلاق کو قرآن مجید اور سیرت حبیب کے مطابق نہ ڈھالیں اور پھر بھی اسلام کا راگ الاپتے رہیں تو یہ رویہ پھر مکمل تباہی کو دعوت دینے والا ہوتا ہے۔

اہل پاکستان کو فتح وکامیابی کے شادیانے بجانے کے بجائے حالات کی سنگینی کو سمجھنا چاہیے۔ فرد کا فیصلہ اللہ قیامت کے دن کریں گے لیکن قوموں کا محشر یہی دنیا ہے۔ ان کا فیصلہ یہیں ہوتا ہے۔ ہمارے فیصلے کا وقت اب قریب آ رہا ہے۔ اس لیے مہلت کو مہلت سمجھیے۔ مہلت ملنے پر جشن نہیں منایا جاتا۔ اپنا احتساب کیا جاتا ہے۔ سو غفلت کو چھوڑیے، ہدایت کے راستے کو اختیار کیجیے۔ ہر فرد اپنی جگہ قرآن کا مطلوب انسان بن جائے۔ دین حق کا گواہ بن جائے۔ یہی ہمارے لیے واحد راستہ ہے۔ دوسرا ہر راستہ تباہی کی طرف جاتا ہے۔

جاوید چوہدری

## یہ ہمارے ساتھ بھی ہو سکتا ہے

دنیا میں تین جگہیں ایسی ہیں جہاں آپ زندگی کی اصل حقیقت جان سکتے ہیں، ہم کیا ہیں، ہماری اوقات کیا ہے، ہماری حسرتوں، ہماری خواہشوں اور ہماری سماجی، معاشرتی اور معاشی ترقی کی حیثیت کیا ہے اور ہماری نفرتوں، ہماری رقابتوں اور ہماری دشمنیوں کی اصل حقیقت کیا ہے؟ آپ مہینے میں ایک بار ان جگہوں کا وزٹ کر لیا کریں آپ کو اپنے ظاہر اور باطن دونوں کی اوقات سمجھ آ جائے گی۔

میں اکثر ان جگہوں پر جاتا ہوں اور کسی کونے میں چپ چاپ بیٹھ کر زندگی کی اصل حیثیت دیکھتا ہوں اور پھر پوری طرح چارج ہو کر واپس آ جاتا ہوں۔ یہ تین جگہیں قبرستان، اسپتال اور جیل ہیں۔آپ کبھی اپنا سب سے قیمتی سوٹ پہنیں، شیو کریں، جسم پر خوشبو لگائیں، جوتے پالش سے چمکائیں، اپنی سب سے مہنگی گاڑی نکالیں اور شہر کے سب سے بڑے قبرستان میں چلے جائیں، آپ ایک کونے سے دوسرے کونے تک قبروں کے کتبے پڑھنا شروع کریں۔

آپ تمام قبروں کا اسٹیٹس دیکھیں، آپ کو محسوس ہوگا ان قبروں میں سوئے ہوئے زیادہ تر لوگ اسٹیٹس کے لحاظ سے آپ سے کہیں آگے تھے، یہ لوگ آپ سے زیادہ مہنگے سوٹ پہنتے تھے، دن میں دو، دو بار شیو کرتے تھے، ان کے پاس زیادہ مہنگی پروفیومز تھیں، یہ اطالوی جوتے خریدتے تھے اور ان کے پاس آپ سے زیادہ مہنگی اور لگژری گاڑیاں تھیں لیکن آج یہ مٹی میں مل کر مٹی ہو چکے ہیں اور قبر کا کتبہ ان کی واحد شناخت رہ گیا ہے۔

آپ کو محسوس ہوگا یہ لوگ رتبے، اختیار اور تکبر میں بھی آپ سے بہت آگے تھے، مکھیاں بھی ان کی ناک پر بیٹھنے سے پہلے سو سو بار سوچتی تھیں، ہوائیں بھی ان کے قریب پہنچ کر محتاط ہو جاتی

تھیں اور یہ کبھی اس زمین، اس ملک اور اس سسٹم کے لیے ناگزیر سمجھے جاتے تھے لیکن پھر کیا ہوا، ایک سانس ان کے پھیپھڑوں سے باہر نکلی اور واپس جانے کا راستہ بھول گئی اور اس کے بعد یہ لوگ دوسروں کے کندھوں پر سفر کرتے ہوئے یہاں پہنچے اور زندگی انھیں فراموش کر کے واپس لوٹ گئی اور اب ان کا مرتبہ، ان کے اختیارات، ان کا تکبر اور ان کی ناگزیریت دو فٹ کے کتبے میں سمٹ کر رہ گئی۔

آپ قبرستان کی کسی شکستہ قبر کے سرہانے بیٹھ جائیں، اپنے اردگرد پھیلی قبروں پر نظر ڈالیں اور اپنے آپ سے یہ سوال پوچھیں میرے پاس کتنا وقت باقی ہے؟ آپ کو اس سوال کے جواب میں تاریکی، سناٹے اور بے بسی کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ آپ اسی طرح کبھی کبھی اسپتالوں کا چکر بھی لگا لیا کریں، آپ کو وہاں اپنے جیسے سیکڑوں ہزاروں لوگ ملیں گے، یہ لوگ بھی چند دن، چند گھنٹے پہلے تک آپ کی طرح دوڑتے، بھاگتے، لپکتے اور شور مچاتے انسان تھے، یہ بھی آپ کی طرح سوچتے تھے کہ یہ زمین پر ایڑی رگڑیں گے تو تیل کے چشمے پھوٹ پڑیں گے، ان کا بھی خیال تھا یہ پاؤں مار کر زمین دہلا دیں گے اور ان کو بھی یہ گمان تھا کہ دنیا کا کوئی وائرس، کوئی جراثیم اور کوئی دھات انھیں نقصان نہیں پہنچا سکتی لیکن پھر ایک دن زندگی ان کے لیے عذاب بن گئی۔

ان کے پاؤں، ان کے ہاتھ، ان کی آنکھیں، ان کے کان، ان کا جگر، ان کا دل، ان کا دماغ اور ان کے گردے ان کے ساتھ بے وفائی کر گئے اور یہ اپنے ٹھنڈے گرم محلوں سے نکل کر اسپتال کے بدبودار کوریڈورز کے مسافر بن گئے، آپ اسپتالوں کی پرائیویٹ وارڈز اور مہنگے پرائیوٹ اسپتالوں کا چکر ضرور لگایا کریں، آپ کو وہاں وہ لوگ ملیں گے جو مہنگے سے مہنگا ڈاکٹر اور قیمتی سے قیمتی ترین دوا خرید سکتے ہیں لیکن اس کے باوجود یہ بے بسی کے عالم میں اسپتالوں میں پڑے ہیں، کیوں؟ کیونکہ انسان ڈاکٹر اور دوا تو خرید سکتا ہے لیکن شفاء نہیں اور یہ لوگ قدرت کے اس

قانون کے قیدی بن کر اسپتالوں میں پڑے ہیں، آپ مریضوں کو دیکھیں، پھر اپنے آپ کو دیکھیں، اللہ کا شکر ادا کریں اور صحت کی اس مہلت کو مثبت طریقے سے استعمال کریں۔

آپ جیلوں کا چکر بھی لگایا کریں، آپ کو وہاں ایسے سیکڑوں ہزاروں لوگ ملیں گے جو کبھی آپ کی طرح آزاد پھرتے تھے، یہ رات کے تین بجے کافی پینے نکل جاتے تھے، یہ سردیوں کی یخ ٹھنڈی راتیں اپنے نرم اور گرم بستر پر گزارتے تھے لیکن یہ کسی دن کسی اپنے حیوانی جذبے کے بہکاوے میں آ گئے، یہ کسی کمزور لمحے میں بہک گئے اور طیش میں، عیش میں یا پھر خوف میں ان سے کوئی ایسی غلطی سرزد ہوگئی جس کی پاداش میں یہ لوگ سلاخوں کے پیچھے پہنچ گئے اور یہ اب جیل کے معمول کے مطابق زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

آپ سزائے موت کے قیدیوں سے بھی ضرور ملیں، آپ کو ان سے مل کر محسوس ہوگا ہم لوگ رقابت کے جذبے کو ایک لمحے کا سکھ دینے کے لیے، ہم اپنی انا کو گنے کے رس کا ایک گلاس پلانے کے لیے، ہم ایک منٹ کے لیے اپنی ناک کو دوسروں کی ناکوں سے بلند رکھنے کے لیے اور ہم دوسروں کی ضد کو کچلنے کے لیے بعض اوقات ایسی غلطی کر بیٹھتے ہیں کہ موت بھی ہم پر ترس کھانے سے انکار کر دیتی ہے اور ہم جیل کی سلاخیں پکڑ کر اور اللہ سے معافی مانگ مانگ کر دن کو رات اور رات کو دن میں ڈھلتا ہوا دیکھتے ہیں لیکن ہماری سزا پوری نہیں ہوتی۔ آپ جیل کے قیدیوں کو سلاخوں کے پیچھے کھڑے ہو کر اپنی بیویوں کو حسرتوں سے دیکھتے ہوئے دیکھئے۔

آپ ان کی کانپتی ہوئی ان انگلیوں کو دیکھئے جو اپنے بچوں کے لمس کو ترس گئی ہیں، آپ ان کے بے قرار پاؤں دیکھئے جنھیں آزادی کا احساس چکھے ہوئے کئی برس بیت گئے ہیں اور آپ ان کی آنکھوں میں تیرتے ہوئے ان رت جگوں کی فصلیں بھی دیکھئے جو انھوں نے اپنی غلطی، اپنی کوتاہی اور اپنے جرم پر معافی مانگ مانگ کر اگائی ہیں لیکن قدرت یہ فصل کاٹنے پر راضی نہیں ہو

رہی۔

آپ ان لوگوں کو دیکھئے، اپنے اوپر نگاہ ڈالیے اور پھر یہ سوچئے آپ پر بھی دن میں ایسے سیکڑوں ہزاروں کمزور لمحے آتے ہیں، آپ بھی لالچ کے بہکاوے میں آتے ہیں، آپ بھی غرور اور تکبر کے ماؤنٹ ایورسٹ پر چڑھ جاتے ہیں، آپ بھی رقابت کے نرغے میں آ کر دوسرے لوگوں کی زندگیوں کو کھیل بنا لیتے ہیں، آپ بھی غیرت کے سراب میں الجھ کر دوسروں کا خون پینے کا فیصلہ کرتے ہیں اور آپ بھی دوسروں کے مال کو اپنا بنانے کے منصوبے بناتے ہیں لیکن کوئی نادیدہ ہاتھ، کسی دوست کی کوئی نصیحت اور حالات کی کوئی مہربانی آپ کو روک لیتی ہے۔

آپ باز آ جاتے ہیں اور یہ بھی ہوتا ہے قدرت آپ پر خاص مہربانی کرتے ہوئے آپ کی خامیوں، آپ کی کوتاہیوں، آپ کی غلطیوں، آپ کے گناہوں اور آپ کے جرائم پر پردہ ڈال دیتی ہے، یہ آپ کو گواہیوں، ثبوتوں، قانون اور کچہریوں سے بچائے رکھتی ہے لیکن آپ قدرت کی اس مہربانی کو اپنی چالاکی، اپنا کمال سمجھ لیتے ہیں، آپ یہ سمجھ بیٹھتے ہیں آپ چارلس سوبھراج ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے قانون کی آنکھوں میں خاک جھونکنے کے لیے دنیا میں بھیجا ہے اور دنیا کا کوئی قانون، کوئی ضابطہ آپ کو کبھی پکڑ نہیں سکے گا۔

آپ کو قبرستانوں، اسپتالوں اور جیلوں میں بے گناہ، معصوم اور انتہائی شریف لوگ بھی ملیں گے، یہ لوگ کبھی کوئی ضابطہ، کوئی اصول نہیں توڑتے تھے، یہ اس قدر محتاط لوگ تھے کہ یہ آب زم زم بھی ابال کر پیتے تھے، یہ دودھ، دہی اور مکھن کے لیے اپنی بھینسیں پالتے تھے اور دیسی مرغی کا شوربہ پیتے تھے، یہ ہمیشہ رات نو بجے سو جاتے تھے اور صبح پانچ بجے اٹھ جاتے تھے اور ان سے پوری زندگی کوئی بے اعتدالی، کوئی غفلت سرزد نہیں ہوئی، آپ ایسے لوگ بھی دیکھیں گے جو آرام سے اپنے گھر میں سوئے ہوئے تھے، جو اپنی لین میں گاڑی چلا رہے تھے یا فٹ پاتھ پر اپنی سمت

میں جا رہے تھے اور آپ کو ایسے لوگ بھی ملیں گے جنھوں نے پوری زندگی قانون کا احترام کیا۔

یہ تھانے کے سامنے سے گزرتے ہوئے سر جھکا لیتے تھے اور نیلی پیلی ہر قسم کی یونیفارم کو سلام کر کے آگے جاتے تھے اور جو دوسری جنگ عظیم کے دوران بننے والے قوانین کا بھی احترام کرتے تھے اور جنھوں نے آج بھی سائیکل پر بتی لگوا رکھی تھی لیکن پھر یہ لوگ نہ کردہ جرائم میں محبوس ہو گئے، یہ بے گناہ ہونے کے باوجود قانون کے نہ کھلنے، نہ ٹوٹنے والے دانتوں میں پھنس گئے، آپ کو ایسے لوگ بھی ملیں گے جو کھیرا کاٹنے سے پہلے اسے ڈیٹول سے دھوتے تھے لیکن یہ لوگ بھی اسپتال کے مستقل مہمان بن گئے اور ایسے لوگ بھی جو فٹ پاتھ پر دوسروں کی موت کا نوالہ بن گئے، جو کسی آوارہ گولی کا نشانہ بن گئے یا پھر ان کے سر پر کوئی طیارہ آ کر گر گیا۔

آپ ان لوگوں کو دیکھئے اور اس کے بعد اپنے اوپر نگاہ ڈالیے اور پھر سوچئے یہ طیارہ آپ پر بھی گر سکتا ہے، دوسری لین سے کوئی گاڑی اڑ کر آپ کے موٹر سائیکل، آپ کی گاڑی پر بھی گر سکتی ہے اور ڈاکٹر اچانک آپ کو بھی کینسر کا مریض ڈکلیئر کر سکتے ہیں یا پھر آپ کے دل کے اندر بھی اچانک درد کی ایک لہر دوڑ سکتی ہے اور آپ کو کلمہ تک پڑھنے کی مہلت نہیں ملتی۔ یہ سب کچھ ہمارے ساتھ بھی ہو سکتا ہے، یہ ہم بھی ہو سکتے ہیں لہٰذا آیئے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں اور اس مہلت، اللہ تعالیٰ کی اس مہربانی پر اس کا شکریہ ادا کریں اور کبھی کبھی جیلوں، اسپتالوں اور قبرستانوں میں بھی ایک گھنٹہ گزار لیا کریں کیونکہ یہ تین ایسی جگہیں ہیں جہاں گئے بغیر ہمیں زندگی کی اصل حقیقت، اپنی اوقات اور اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں کا اندازا نہیں ہو سکتا۔

[بشکریہ: روزنامہ ایکسپریس]

-------------------

ریاض علی خٹک

# ہمارے مسائل

دن بھر کی ذہنی یا جسمانی مشقت سے شام کی تھکاوٹ کو مسئلہ نہیں سمجھا جاتا۔لیکن اگر آپ صبح بیدار ہوں اور مکمل تھکاوٹ محسوس کریں تو یہ ضرور مسئلہ ہے ۔Fatigue واقعی ایک مسئلہ ہے۔اب اسی fatigue کو آپ گوگل کر لیں۔ایسی ایسی خطرناک بیماریوں کی علامات کے طور لکھا ہوا ہوتا ہے کہ آپ اندر باہر سے ہل کر رہ جائیں گے۔اللہ نہ کرے یہ بہر حال ایسا بھی سنجیدہ مسئلہ نہیں۔

یہ مسئلہ ہے ہمارے لائف سٹائل، ہماری خوراک اور ہماری نیند کا۔ہم زیادہ طوالت میں نہیں جاتے ،خوراک کو لیتے ہیں۔خوراک جسم کی ضرورت ہے۔ہم نے اس ضرورت میں اپنے نفس کے ذائقے ڈھونڈ لیے۔زبان کے دو تین ہزار ذائقہ محسوس کرنے کے buds کو خوش رکھنے کے لیے پسند ناپسند کے خود ساختہ آئین تخلیق کر لیے۔آنکھوں کو خوش کرنے کیلئے رنگ برنگ رنگوں سے سجا لیا۔ناک کو خوش رکھنے کیلئے خوشبوؤں سے بسا لیا۔لوگوں میں مقام بنانے کیلئے بہت سی خوراکیں سٹیٹس سمبل ہو گئیں۔

نیچے معدہ پریشان ہوتا ہے۔اس نے نہ دیکھنا ہے، نہ سونگھنا ہے، نہ اسے ذائقہ سے سروکار ہوتا ہے۔ یہ تو خوراک میں سے مختلف قسم کے وٹامن، پروٹین، پوٹاشیم، زنک، آئرن جیسے اجزاء ڈھونڈتا ہے۔جسم کی ضرورت یہی بنیادی اجزاء ہوتے ہیں۔ہم اپنی پسند ناپسند پر کچھ اجزاء بہت بڑھا دیتے ہیں، کچھ بالکل نایاب ہو جاتے ہیں۔آئرن کم ہوتا ہے تو رنگ پیلا ہو جاتا ہے، بال گرتے ہیں۔کیلشیم کم ہوتا ہے تو جوڑ جوڑ میں درد ہوتا ہے۔پوٹاشیم آپ کو روزانہ 47 ملی گرام درکار ہوتے ہیں۔وٹامن سی کم ہونے پر مسوڑوں سے خون آتا ہے،زخم جلد درست نہیں ہوتے۔وٹامن A کی کمی سے نظر کمزور ہوتی ہے۔

معدہ انتظار میں تھک جاتا ہے۔ہم روز بروز ہوتی اس کمی یعنی deficiency کا شکار تھکے تھکے رہتے ہیں۔اوپر سے زائد چینی اور گھی سے اضافی چربی بنا کر وزن بڑھا لیتے ہیں۔ورزش ہوتی نہیں اور ہم پریشان سوچتے ہیں کہ سونے سے بھی تھکن دور نہیں ہوئی۔۔۔آخر کیوں۔۔۔؟؟؟

## ڈانٹ ڈپٹ اور بچے

اکثر اوقات دیکھا گیا ہے کہ والدین یا گھروں کے بڑے افراد بچوں کے رویوں سے بہت نالاں ہوتے ہیں۔ انہیں بچوں سے بہت سی شکایات ہوتی ہیں۔ بچوں کی ضد، بدتمیزی، ہٹ دھرمی اور شرارتوں پر انہیں کوستے ہوئے نظر آتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ سب کے سامنے بچوں کو ڈانٹ ڈپٹ، ان کو مارنا پیٹنا بچوں کی عزت نفس کو مجروح کرتا ہے۔ یہ رویہ بچوں میں ہٹ دھرمی، غصہ، ضد اور بدتمیزی کے عناصر کو پروان چڑھانے کا باعث بنتا ہے۔

کوئی بھی بچہ پیدائشی خراب نہیں ہوتا۔ بچوں کو خراب کرنے میں بہت سے عوامل شامل ہیں۔ کہیں پر بے جا لاڈ پیار اور ہر ضد پوری کر دینا بچوں کو خود غرض بنا دیتا ہے اور کہیں بے جا روک ٹوک بچوں میں اعتماد کے فقدان کا باعث بنتا ہے۔ یہ چھوٹے چھوٹے بچے نرم نازک پودوں کی طرح ہوتے ہیں۔ ان پودوں کو بڑھوتری کے لیے سازگار ماحول، مکمل آبیاری، دیکھ بھال اور ضروری کانٹ چھانٹ درکار ہوتی ہے۔ اسی طرح بچوں کو بھی مکمل توجہ اور نگہداشت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور جس طرح سے گرتے ہوئے پودوں کو سہارا نہ دیا جائے اور کانٹ چھانٹ نہ کی جائے تو بڑھتے ہوئے پودے کی ادھر ادھر پھیلتی شاخیں سب کے لیے تنگی کا سبب بنتی ہیں اسی طرح بچوں کو بھی مناسب ماحول اور تربیت کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ وہ دوسروں کے لیے تکلیف کا باعث بنتے ہیں۔ یہ چھوٹے بچے اس پتھر کی مانند ہوتے ہیں جن کو اک اچھا مجسمہ نگار تراش خراش کر کے بہترین مجسمہ میں ڈھال دیتا ہے ورنہ راستے میں ٹھوکروں کی زد میں رہتے ہیں۔

بچوں کے سیکھنے کا عمل تو ماں کے پیٹ سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ بچے جو دیکھتے ہیں وہ سیکھتے

ہیں۔بچوں کے سامنے آپس میں لڑائی جھگڑا، جھوٹ بولنا، دوسروں کی برائیاں کرنا، رشتے داروں سے نفرت کا اظہار غرض ہر منفی کام کیا جاتا ہے۔ جب ہم بڑے اپنے بڑے ہونے کا حق ادا نہیں کریں گے تو ہمیں بھی کوئی حق نہیں بچوں کے بارے میں منفی انداز میں بات کرنے کا۔

یاد رکھیے آج کے یہ چھوٹے بچے کل کے تناور درخت ہیں جنہوں نے اک مضبوط معاشرہ تشکیل دینا ہے اور سایہ فراہم کرنا ہے اور جب ان درختوں کی جڑیں ہی کھوکھلی ہوں گی تو یہ کیسے مضبوط سائبان بنیں گے۔ یہ بچے اس ملک کے لیے اک ستون کی حیثیت رکھتے ہیں یہ ستون مضبوط ہوں گے تو چھتیں بھی مضبوط ہوں گی۔ جو بات بچوں کو پیار محبت اور نرمی سے سکھائی جا سکتی ہے وہ کبھی بھی ڈانٹ اور مار پیٹ سے نہیں سکھائی جا سکتی۔ اس لیے ان کھلتے پھولوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کریں کیونکہ یہی ہمارے دین کی تعلیمات ہیں۔

---------------

**حدیث شریف سے ماخوذ ایک دعا**

**اللّٰھُمَّ إِنِّی ظَلَمْتُ نَفْسِی ظُلْمًا کَثِیرًا وَلَا یَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ، فَاغْفِرْ لِی مَغْفِرَۃً مِنْ عِنْدِکَ، وَارْحَمْنِی إِنَّکَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِیمُ**

اے اللہ! میں نے اپنی جان پر ( گناہ کرکے ) بہت زیادہ ظلم کیا پس گناہوں کو تیرے سوا کوئی دوسرا معاف کرنے والا نہیں۔ مجھے اپنے پاس سے بھرپور مغفرت عطا فرما اور مجھ پر رحم کر کہ مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا بیشک وشبہ تو ہی ہے۔

شفقت علی

# عافیت کی زندگی

خدا کو اپنے بندے کا دعا مانگنا بہت پسند ہے اور دعاؤں میں عافیت کی دعا مانگنا سب سے زیادہ پسند ہے (ترمذی)۔ عافیت اولاً وہی چیز ہے جسے موجودہ دور میں ذہنی سکون (Peace of Mind) کہا جاتا ہے۔ مزید اسے اچھی جسمانی و ذہنی صحت اور خوشگوار زندگی سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اور بلاشبہ یہ ہر انسان کی اولین ترجیح میں شامل ہے۔

اس اولین ترجیح کو پورا کرنے کے لیے انسان اپنی سہولیات تعیّشات میں اضافہ کر رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ انسان چیزوں کو جمع کرنے کے لیے کما رہا ہے اور کمانے کے لیے جی رہا ہے۔ زندگی آہستہ آہستہ کم ہو رہی ہے اور چیزوں کی فہرست ہے کہ بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ ایک دوڑ لگی ہوئی ہے زیادہ سے زیادہ چیزوں کے حصول کی اور ایک عافیت ہے کہ راستے میں کہیں نہیں مل رہی۔

ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم عافیت کا تعلق مادی چیزوں سے جوڑ بیٹھتے ہیں اور جب وہ نہیں ملتیں یا ملنے کے بعد واپس لے لی جاتی ہیں تو فوراً اپنا ذہنی سکون کھو بیٹھتے ہیں۔ اور اگر مل بھی جائیں تو تھوڑے عرصہ بعد ان چیزوں کی چاشنی اور مزہ پھیکا پڑنا شروع ہو جاتا ہے۔ عافیت کا تعلق بنیادی انسانی ضروریات سے ہے جو سب کی سب اللہ دیتے ہیں۔ لہٰذا مادی ساز و سامان کو بڑھانے کے بجائے ہمیں دعا کو بڑھانا چاہیے۔

دعا کے ساتھ ساتھ ضرورت ہے کہ ہم اپنی اور اس دنیا کی حقیقت کو بھی مدِ نظر رکھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کاملیت پسند مخلوق ہے۔ دوسری طرف یہ دنیا غیر مثالی اور نامکمل ہے۔ یہ صرف جنت ہی ہے جو انسانی فطرت کے تمام تقاضوں پر پورا اترتی ہے۔ پس انسان کو چاہیے کہ وہ اِس زندگی میں صرف ضرورت کی چیزوں پر قناعت کرے اور آخرت کی زندگی کو اپنا محور و مرکز بنائے۔ یہ رویہ یقیناً اسے عافیت میں رکھے گا۔

نمرہ رفیق

# مصروفیت اور مقصد

زندگی میں مصروفیت اللہ کی طرف سے ایک انعام ہے۔ مصروف شخص جب تک کسی با مقصد کام میں مصروف رہتا ہے تب تک وہ لایعنی سوچوں سے بچا رہتا ہے اور جو لوگ با مقصد زندگی گزارتے ہیں وہ ہر قسم کے بے مقصد کاموں اور سوچوں سے دور رہتے ہیں۔ زندگی میں بڑے مقاصد انسان کو نہ صرف وقت کے ضیاع سے بچاتے ہیں بلکہ اسے غیر ضروری سوچوں اور غیر ضروری کاموں سے بھی محفوظ رکھتے ہیں۔ لیکن جس شخص کی زندگی میں کوئی مقصد نہیں ہوتا وہ اپنی ساری زندگی اِدھر اُدھر کے کاموں میں گزار دیتا ہے جس سے اسے دنیاوی یا اخروی لحاظ سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔

لیکن انسان کی نفسیات مصروفیت کے بجائے فراغت کو پسند کرتی ہے اور مصروفیت کو بعض اوقات اپنی ذات کیلئے وبال جاں سمجھتی ہے۔ اس کی وجہ بے مقصد زندگی ہے کیونکہ جب انسان کے سامنے مقاصد ہوں تو وہ ان مقاصد کی تکمیل کے لیے ہر ممکن کوشش کرتا ہے اور اپنے وقت کا بہترین استعمال کرتا ہے۔ اس کی مثال کچھ یوں ہے کہ اگر آپ نے کسی منزل پر پہنچنا ہو اور آپ کے سامنے اس منزل تک پہنچنے کا راستہ بھی واضح ہو تب آپ کا پورا فوکس اپنی منزل پہ ہوگا۔ کیونکہ آپ کے پاس ایک مقصد ہے اور اسکی تکمیل کا تجسس آپ کو باقی غیر ضروری باتوں سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

لیکن یہ انتہائی غور و فکر کا مقام ہے، ہم میں سے ہر ذی شعور کو اپنی مصروفیت کا جائزہ لینا چاہیے کہ ہماری زندگی کی مصروفیت کا معیار کیا ہے۔ کیا ہماری مصروفیات سے ہماری زندگی میں کوئی بہتری آرہی ہے یا پھر ہم اپنے قیمتی وقت اور قیمتی زندگی کو ضائع کرتے جا رہے ہیں بغیر کسی احساس زیاں کے۔ بے مقصد زندگی گزار کر انسان اللہ کی سب سے بہترین نعمت یعنی زندگی کو خسارے میں ڈال کر نہ صرف یہاں اس دنیا میں نقصان سے دوچار ہو رہا ہے بلکہ آخرت میں بھی سخت نقصان اٹھانے والا ہے اور یقیناً آخرت کے نقصان سے بڑا نقصان اور کسی چیز کا نہیں ہے۔

ثمر عمیر

# آپ بیتی

[دانتوں کی اذیت: معرفت جنت وجہنم اور حقائق کے انکشافات کا دفتر]

رات کو میرے دانت میں تکلیف کی ابتدا ہوئی جسے میں نے اس حوصلے سے برداشت کرنا شروع کر دیا کہ لونگ کا تیل اور دیسی ٹوٹکے میری رات کو بخیر و عافیت گزار دیں گے، دانتوں کی عام کھائی جانے والی ادویات کو کھانا ڈاکٹر کے لحاظ سے میرے لیے بالکل مناسب نہیں تھا کچھ وقتی پیچیدگیوں کی وجہ سے۔ لہٰذا اس کے ذریعے آرام پانے کا کوئی تصور بھی نہیں تھا۔ لیکن میری سوچ کے برعکس دانتوں کا درد رات بھر میں شدت اختیار کرتا چلا گیا اور میرے لیے پل پل گزارنا دشوار ہو گیا۔ اس دوران میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ آپ تو قادر مطلق ہیں لہٰذا فرشتوں کے ذریعے بھی میرے دانتوں کی اذیت دور کر سکتے ہیں، بلکہ سرجری بھی کر سکتے ہیں، میں نے چند ظاہری اسباب اختیار کر لیے ہیں آپ میری مدد فرما دیں۔

لیکن جب شدت تکلیف بے قرار کرتی تھی تو یونس علیہ السلام کے الفاظ زبان پر آ جاتے۔

لا اله الا انت سبحانك انی كنت من الظالمين

آپ پاک ہیں میں ہی ظالم ہوں یا اللہ بس اگر آپ میرے اس درد کے ساتھ مجھ سے راضی ہیں تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ لیکن اگر درد کے ساتھ آپ ناراض ہیں تو یہ درد سے زیادہ بڑا مسئلہ ہے اور آخرت کی تکلیف مجھ سے کیسے برداشت ہو گی؟

ایوب علیہ السلام کے مبارک الفاظ اس نڈھال کرنے والے درد میں کبھی یاد آ جاتے کہ

رب انی مسنی الضر وأنت أرحم الراحمين

اور خیال آتا کہ تکلیف کو دور کرنے کے لیے دعا مانگنا غلط نہیں ہے بلکہ انبیا کا طریقہ ہے۔ کیفیت ایسی تھی کہ کبھی درد پر کچھ حوصلہ کر کے گھر کا کام کر کے ذہن بٹانے کی کوشش ہوتی تو کبھی درد سے جان نکلنے کی وجہ سے بستر کا رخ کرنا پڑتا اس امید کے ساتھ کہ کیا معلوم ہلکی سے آنکھ لگ

جائے۔اس دوران چونکہ درد کی شدت کم ہونے کے بجائے بڑھتی جارہی تھی لہٰذا اس نیم غشی کو قرآن جس منظر سے تعبیر کرتا ہے اس کا کسی حد تک دنیوی تجربہ ہوگیا۔سورہ الحج کی آیت نمبر 2 میں ہے ''اور تم لوگوں کو مدہوش دیکھو گے حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب ہی ایسا شدید ہوگا''۔اس کے ساتھ یہ خیال بھی آرہا تھا کہ اگر مجھے یہ کہہ دیا جائے کہ زندگی بھر اس تکلیف کو آخرت کی نجات کے لئے برداشت کرلو تو میرا کیا ہوگا؟ اب سمجھ میں آرہا تھا کہ جہنمیوں کا وہ بیان سچے رب کائنات نے کیوں قرآن میں ریکارڈ کیا ہے''اور اہل دوزخ، دوزخ کے داروغوں سے کہیں گے کہ اپنے رب سے درخواست کرو کہ ہمارے عذاب میں سے ایک دن کی تخفیف فرمادے''۔اس کی حقیقت مجھ پر اس طرح کھلی کہ جب میں پچھلی رات سے لے کر مکمل دن گزار کر چھٹی کے دن والدہ کی خصوصی درخواست پر ڈاکٹر کے کلینک پر پہنچی اور ان کی کچھ کارروائی نے بھی فی الفور اثر نہیں کیا تو ایسا گمان ہوا کہ اب ساری ہمت وحوصلہ ختم اور اب بس غشی طاری ہونا یقینی ہے لیکن عین اسی وقت ڈاکٹر نے سن کرنے کا انجیکشن لگایا۔اس کی تکلیف اور خوف کے بجائے امید تھی کہ اذیت سے چھٹکارا ملے گا چاہے کچھ دیر ہی سہی اور اگلے پل حقیقتاً ایسا محسوس ہوا کہ میں جہنم سے جنت میں آ گئی، میری توانائی اور چہرے کے تاثرات سب جادوئی انداز میں ٹھیک ہوگئے وہ لمحات مجھے جو سکون اور خوشی دے گئے میں بیان بھی نہیں کرسکتی۔

لیکن بدقسمتی سے چند لمحات سے زیادہ باقی نہ رہ سکے کیونکہ ڈاکٹر کی کارروائی شروع ہوگئی، انفیکشن ختم کرنے کے لئے وہ اپنا کام کرتے رہے البتہ پہلے کے مقابلے میں حالت اب بہتر تھی مگر گھر پہنچنے کے بعد پھر کپکپی طاری ہوگئی اور درد کی شدت نے بے حال کردیا آخر ڈاکٹر سے دوبارہ رابطے پر مسئلہ کچھ حل ہوگیا لیکن بے چینی اور تکلیف مکمل طور پر ختم ہو کر نہیں دے رہی تھی۔ آخر رات کو ایک دوائی نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اثر کیا اور سکون کی نیند میسر ہوئی۔

''اور اگر تمہارے پروردگار کے عذاب کا ایک جھونکا بھی انہیں چھو جائے تو یہ کہہ اٹھیں گے کہ: ہائے ہماری کم بختی! واقعی ہم لوگ ظالم تھے۔''، (الانبیا21 :46)

انسان کی حقیقت اور بے بسی کو آخری درجے میں انسان پالیتا ہے جب مرض میں مبتلا ہوتا ہے، اس کو ایک ایک نعمت اللہ تعالیٰ کے جود وکرم اور اس کی سخاوت ورحمت کا ظہور لگنے لگتی ہیں جو پہلے کبھی نہیں محسوس ہوئی ہوتیں۔ اللہ کریم کی بے پنہا عنایتیں اور اس کا فضل ہر آن محسوس ہوتا ہے۔ ان سخت لمحات میں جب ماں، اور تمام رشتے ناطے خدمت و ہمدردی کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو ان کی اہمیت اور اللہ تعالیٰ کے رشتوں کے بندھن میں باندھنے کی حکمت آشکار ہوتی ہے، بندوں اور اللہ تعالیٰ کی شکرگزاری کا ایک نیا تجربہ پیش آتا ہے۔ نیز آخرت کا تقابل کرنے میں بھی آسانی ہوجاتی ہے کہ وہاں کوئی کام نہیں آئے گا چاہے کتنا ہی قریبی ہو۔

ان تمام باتوں سے مجھے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی کہ اللہ تعالیٰ کے قوانین اٹل ہیں اور معجزات نہیں ہوا کرتے، انسان کو اپنا کام کرنا چاہیے، بیوقوفی اور نادانی کا نتیجہ بھی دیکھنا پڑتا ہے۔ البتہ اس سے انکار نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مدد سے ہاتھ نہیں روکتے لیکن انسان کو بہرحال اپنے حصے کا کام انجام دینا پڑتا ہے۔

تکالیف جنت اور جہنم کا عملی نمونہ ہیں اگر حقیقت اور یاددہانی کی نگاہ سے دیکھا جائے، انسان کو اللہ تعالیٰ واقعی تکلیف میں جتنا یاد آتا ہے خوشحالی اور آسانی میں نہیں آتا، جبکہ مومن وہ ہے جو ہر حال میں اللہ تعالی کو کثرت سے یاد رکھے۔ ان تکالیف کو ہم وقتی طور پر یاد رکھتے ہیں لیکن پھر بھول جاتے ہیں لیکن اس کو اپنی عاجزی اور بے بسی کی ناقابل فراموش داستان کے طور پر یاد رکھنا چاہیے کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا ہم زبان حال سے اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

جسم کے کسی بھی حصے کی تکلیف انسان کی پوری شخصیت کو مسخ کردیتی ہے اس کی ساری اکڑ فوں اور بڑائی کو مٹی میں ملا دیتی ہے۔ وہ سوائے خدا کے آگے بھیک مانگنے کے اور کسی قابل نہیں رہتا اور صحت پاکر تو اسے مزید اس کے در کا مستقل سوالی بن جانا چاہیے کہ اے میرے مالک مجھ پر رحم فرما دیجیے اور دنیا اور آخرت کی عافیت نصیب عطا فرمائیے کیونکہ میرا آپ کے سوا کون ہے۔

محمد رضوان خالد چودھری

# توکل اور تقدیر

دعا، توکل، صبر اور تقدیر یہ سب تصورات ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کو دوسرے کے بغیر سمجھنا ممکن نہیں۔

ان سب میں مشترک عنصر مسلسل کوشش، ایمان اور اللہ کے قانون کی سمجھ ہے۔

یہ سب تصورات انسان کو ماضی کے غم اور مستقبل کے خوف سے آزاد کر کے اس کی پوشیدہ صلاحیتوں کو بیدار کر دیتے ہیں اور اس کی یکسوئی کو بڑھا دیتے ہیں۔

لیکن یاد رہے خندق محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنھم کو خود ہی کھودنی ہو گی۔ اللہ اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹ پر پتھر بندھے دیکھتا ہے لیکن غیب سے کھانا نہیں بھیجتا۔

بس ایسے اسباب کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ چند سال میں عرب و عجم کے بہت سے عظیم ملک مسلمانوں کے زیرِ نگیں آ جاتے ہیں۔

لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم زخمی بھی ہوتے ہیں ان کے دانت بھی شہید ہوتے ہیں۔

قرآن کو سمجھنا شروع کیجیے یہ آپ کو توہمات سے باہر نکال کر عملی انسان بنا دے گا۔

ایسا عملی انسان جو دعا، توکل، صبر اور تقدیر جیسے تصورات کو سمجھ کر نہ صرف دنیا میں کامیابی کے جھنڈے گاڑ سکے بلکہ خوف اور غم سے بھی ایسا بے نیاز ہو کہ ناکامیاں اور کامیابیاں اسے بس منزل کے پڑاو محسوس ہوں۔

---

ابو یحییٰ

# مضامین قرآن (59)

## اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کی درست اساسات: صبر ورضا

صبر ورضا اللہ تعالیٰ سے تعلق کی ایک انتہائی اہم اور بنیادی اساس ہے۔ قرآن مجید نے اس تقاضے کی اہمیت، مواقع، اجر اور فوائد کو اس تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے کہ ان تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنا آسان نہیں ہے۔ خلاصہ اگر کیا جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس دنیا میں بندگی کی زندگی صبر کے بغیر ممکن نہیں اور آخرت میں ملنے والا خدا کی جنت کا ابدی انعام اسی صبر کا بدلہ ہے۔

### صبر کا مفہوم

صبر پر گفتگو سے قبل اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ ہمارے ہاں عام طور پر صبر کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ مشکلات میں انسان کو دکھ اور تکلیف محسوس نہ ہو۔ جبکہ دراصل صبر کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ انسان دکھ اور تکلیف محسوس کرنا بند کردے۔ انسان جب تک انسان ہے وہ دکھ اور تکلیف کو محسوس کرے گا۔ وہ محرومی اور مصائب پر غم کا شکار ہوگا۔ وہ نامساعد حالات میں حزن والم کی کیفیات کو اپنے اندر پائے گا۔ صبر کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ انسانی محسوسات ختم ہوجائیں۔ صبر کا مطلب یہ ہے کہ یہ دکھ، تکلیف، محرومی، مصائب اور منفی حالات اسے راہ حق سے ڈگمگانے نہ پائیں۔ وہ خدا سے مایوس نہ ہو۔ اپنے مالک سے بدگمانی نہ کرے۔ اس کے خلاف سرکشی اور بغاوت کا ارتکاب نہ کرے۔ جو مطالبات اس سے کیے گئے ہیں، ان کو ہر طرح کی پریشان کن صورتحال میں بھی پورا کرتا رہے۔

### صبر کرنے کے اہم مواقع

منفی حالات کی بنا پر اس طرح کی پریشان کن صورتحال عام طور پر تین وجوہات سے پیدا ہوتی ہے۔ قرآن مجید نے ان تینوں کی نشان دہی خاص طور پر کرتے ہوئے ، ان مواقع پر صبر کرنے کو حقیقی نیکی اور وفاداری کا ایک اعلیٰ مظہر قرار دیا ہے۔ یہ تین مواقع مالی تنگی ،جسمانی آزار، اور جنگ وجدل ہیں۔ان میں سے مالی تنگی وہ چیز ہے جس کا سامنا معاشرے کی اکثریت کو اپنی زندگی میں کرنا پڑتا ہے۔غربت جب آجاتی ہے تو اکثر ڈیرا ڈال دیتی ہے۔ ایسے میں انسان خواہشات تو کجا اپنی ضروریات پورا کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ضروریات کسی نہ کسی طرح پوری ہوجائیں تو قدم قدم پر دل کو خواہشوں کا قبرستان بنانا پڑتا ہے۔خوراک ،لباس، گھر ،سواری میں محرومی یا گزارہ کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا۔ یہ صورتحال کسی بھی باشعور انسان کو منفی بنا سکتی ہے۔ وہ حلال کی لکیر عبور کرکے حرام کی سرحد میں داخل ہوسکتا ہے۔ وہ کوئی مجرمانہ روش اختیار کرسکتا ہے۔حتیٰ کہ خدا سے باغی ہوسکتا ہے۔ایسے میں یہ صبر ہی ہے جو انسان کو حوصلہ اور یہ ہمت دیتا ہے کہ وہ اسے خدا کا امتحان سمجھے اور کبھی اپنی محرومی اور تنگی کو ناشکری، نافرمانی اور مایوسی میں نہ بدلنے دے بلکہ پورے حوصلے اور ہمت کے ساتھ محنت کرتا رہے اور خدا کی اس رحمت کا انتظار کرے جو عام طور پر محنت کرنے والوں کے دن پھیر ہی دیتی ہے۔

مالی تنگی سے کہیں سخت امتحان بیماری کا ہوتا ہے۔ دنیا میں ہر شخص کو کبھی نہ کبھی جس مسئلے کا سامنا کرنا ہوتا ہے وہ بیماری ہے۔چھوٹی بڑی بیماری ہر شخص کی زندگی میں آتی ہے۔ یہ بیماری انسان کو سخت تکلیف میں مبتلا کردیتی ہے۔درد اور تکلیف بعض اوقات انسان کا جینا دوبھر کر دیتے ہیں۔ بیمار انسان لاچار ہوجاتا ہے۔ وہ چلنے پھرنے، کھانے پینے، آنے جانے حتیٰ کہ بعض اوقات سونے سے بھی خود کو عاجز پاتا ہے۔دنیا بھر کے وسائل بھی انسان کے پاس ہوں تو بعض اوقات شفا نہیں ملتی۔یا ملتی ہے تو بیماری کے اپنے وقت پورا کرنے کے بعد ہی ملتی ہے کیونکہ یہ خدا

کا قانون ہے کہ موت اور معذوری مقدر نہ ہو تو جس طرح بیماری آتی ہے، اسی طرح چلی بھی جاتی ہے۔ مگر اس عرصے میں اپنے حوصلہ پر قابو پانا، ضبط کے بندھن کو قائم رکھنا، زبان کو شکوے شکایت سے باز رکھنا بڑے حوصلے کا کام ہے۔ مگر صاحبان ایمان صبر کے ساتھ یہ مشکل بھی جھیل لیتے ہیں۔ جس کے بعد بیماری تو چلی جاتی ہے، مگر خدا کی رحمت کی برکھا ان کے وجود کو اپنی عطا سے بھگو دیتی ہے۔

نامساعد حالات کی تیسری اہم قسم جنگ ہے۔ جنگ جب آتی ہے تو انسان کی جان، مال، آبرو سب خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ امن و امان اٹھ جاتا ہے۔ تحفظ ختم ہو جاتا ہے۔ کوئی نقصان نہ بھی پہنچے تو خوف و اندیشے کے بادل انسان کو گھیر لیتے ہیں۔ دہشت اور پریشانی کا ماحول ہر سو چھا جاتا ہے۔ کلیجے منہ کو آ جاتے ہیں۔ جنگ مسلط ہو جائے تو موت کے سائے چھا جاتے ہیں۔ زندگی داؤ پر لگ جاتی ہے۔ عزت و آبرو بے وقعت قرار پاتی ہے۔ جائیدادیں بے قیمت ہو جاتی ہیں۔ خوراک کی کمی ہو جاتی ہے۔ ان حالات میں حوصلہ قائم رکھنا بڑا مشکل ہے۔ مگر یہ بھی امتحانوں میں سے ایک امتحان ہوتا ہے۔ افراد اور قومیں دونوں اس مرحلے سے گزر جاتی ہیں۔ مگر جو لوگ جنگ کے حالات میں اپنے موقف پر ثابت قدم رہیں، دشمن کے مقابلے میں ڈٹے رہیں، ظلم اور نافرمانی سے باز رہیں، نیکی اور پرہیزگاری کی روش پر قائم رہیں؛ وہی خدا کے ہاں وفادار قرار پاتے ہیں۔

ان تین طرح کے حالات کے علاوہ قرآن مجید صبر کا ایک اور اہم موقع وہ بیان کرتا ہے جس میں انسان برائی کے جواب میں بھلائی کا رویہ اختیار کرتا اور ظلم کے موقع پر درگزر کی خو اختیار کرتا ہے۔ یہ کوئی معمولی وصف نہیں ہے بلکہ ایک اعلیٰ ترین انسانی وصف ہے جس کا مظاہرہ اعلیٰ ترین کردار کے لوگ کرتے ہیں۔ جس شخص میں صبر کرنے کا حوصلہ وہی شخص لوگوں کو معاف کرنے کی

طاقت خود میں پیدا کرسکتا ہے۔

## نیکی کی زندگی اور دعوت کی راہ میں صبر

مالی تنگی، بیماری اور جنگ میں پیش آنے والے مصائب و آلام پر حوصلہ نہ ہارنا اور دوسروں کی زیادتیوں کے باجود ان کو معاف کر دینا صبر کے اہم مواقع ہیں۔ تاہم صبر اپنی ذات میں ایک وسیع تر انسانی استعداد ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان ہر طرح کے اپنے اس موقف پر قائم رہے جسے اس نے عقلی طور پر درست سمجھا اور اصولی طور پر اختیار کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ رویہ جس طرح نامساعد حالات میں مطلوب ہے، آسانی و راحت میں بھی اسی طرح مطلوب ہے۔ مگر انسانوں کا معاملہ یہ ہے کہ انسان آسانی ملنے پر راہ حق سے دور ہٹنے لگتا ہے۔ دولت انسان کو بخیل بناتی ہے یا نمود و نمائش کا عادی۔ حسن، ذہانت اور صلاحیت انسان میں تکبر پیدا کرتے ہیں۔ طاقت اور قوت انسان کو ظلم پر آمادہ کرتی ہے۔ جاہ و منصب انسان کو بدعنوانی کی طرف لے کر جاتے ہیں۔ مال اور فراغت کی کثرت انسان کو عیاشی اور بدکاری کی لت میں مبتلا کر دیتی ہے۔

چنانچہ ضروری ہے کہ انسان نے جس حق کو درست سمجھا ہے وہ نہ صرف اس کو اختیار کرے بلکہ اس پر ثابت قدم بھی رہے۔ یہی ثابت قدمی وہ صبر ہے جس کی خو پیدا کیے بغیر انسان نیکی کو اختیار نہیں کرسکتا اور گناہ سے بچ نہیں سکتا۔ سورہ عصر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان ایمان و اخلاق کے تقاضوں کو نہ صرف خود اختیار کرے بلکہ اس حق کی تلقین اور اس پر ثابت قدم رہنے یا صبر کرنے کی تلقین دوسروں کو بھی کرے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ یہ تلقین عام نہ ہو تو معاشرے سے ہر خیر ختم ہو جائے گا۔ پھر ہر حسین زانی، ہر ذہین شاطر، ہر طاقتور ظالم اور ہر دولتمند متکبر بن جائے گا۔ یہ صبر ہی ہے جو انسان کو راہ حق پر قائم رکھتا ہے۔ یہی صبر ہی نیکی کی اساس ہے۔

نیکی کے ساتھ دعوت دین کے کاموں میں بھی صبر کی بڑی اہمیت ہے۔ انسان جب بھی

دوسروں کو نیکی کی تلقین کرتا ہے، برائیوں پر توجہ دلاتا ہے، معروف پر ابھارتا اور منکر پر آواز اٹھاتا ہے تو لوگ اس کو زیادہ پسند نہیں کرتے۔ ایسے انسان کو تنہا کر دیا جاتا ہے۔ اس کی مخالفت شروع ہو جاتی ہے۔ اسے تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اسے اذیت دی جاتی ہے اور اس کی جان، مال اور آبرو خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ ایسے میں انسان میں صبر کا ملکہ اور ضبط کا حوصلہ نہ ہو تو انسان دعوت کے اس کٹھن مشن پر قائم نہیں رہ سکتا۔ اس راستے میں زادِ راہ یہی صبر ہے جو انسان کو حوصلہ دیتا ہے اور اسے اپنے نصب العین پر جمائے رکھتا ہے۔

**صبر ورضا اور اس کا بدلہ**

صبر کی یہ تمام اقسام انسان اختیار نہیں کر سکتا جب تک کہ انسان خدا کے فیصلوں پر راضی ہونا نہ سیکھ لے۔ وہ یہ حقیقت نہ سمجھ لے کہ یہ دنیا اس لیے نہیں بنی کہ خدا بندے کو راضی کرے۔ یہ دنیا اس لیے بنی ہے کہ بندہ اپنے رب کو راضی کرے۔ وہ دنیا آگے آ رہی ہے جہاں خدا بندے کو راضی کرے گا اور اس طرح راضی کرے گا کہ جو بندے کا دل چاہے گا وہ پائے گا اور جو کچھ بندہ مانگے گا اسے دیا جائے گا۔ چنانچہ ہر طرح کے حالات میں خدا سے راضی رہنے کا وصف ہی وہ چیز ہے جو انسان کو صبر پر آمادہ کرتا ہے۔ یہ صبر کی کنجی ہے۔ جسے یہ ملی وہی اس دنیا میں صبر کرے گا اور وہی آخرت میں خدا کی ابدی نعمتوں کا حقدار بنے گا۔

تاہم اس کا مطلب یہ نہیں کہ صبر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ اس دنیا میں حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ صبر کرنے والوں کے ساتھ خدا ہوتا ہے اور انھیں اپنی معیت کا شرف عطا کرتا ہے۔ وہ ان پر نظر عنایت کرتا، انھیں اپنی رحمت سے نوازتا اور ہدایت کے سیدھے راستے پر قائم رکھتا ہے۔ یہ چیزیں جب آدمی کو ملتی ہیں تو اس کے قلب پر سکینت نازل ہوتی ہے۔ غم و الم کے بادل چھٹ جاتے ہیں۔ حوصلہ بلند ہو جاتا ہے۔ جذبہ بیدار ہو جاتا ہے۔

مایوسی کے اندھیرے دور ہو جاتے ہیں۔ امید کی روشنی جگمگا اٹھتی ہے۔ وہ انسان جو ایک نفسیاتی وجود ہے، اس کی نفسیات کل کی کل بدل جاتی ہے۔ وہ بدترین حالات میں بھی مطمئن رہتا ہے۔ اس نے ہر طرح کے حالات میں خدا سے راضی رہنے کا جو فیصلہ کیا تھا، اس کا نقد عوض اس طرح ملتا ہے کہ اس کا دل سکون سے بھر جاتا ہے۔ یہ سکون ہی وہ چیز ہے جو انسان کی ہر جدوجہد کا آخری حاصل ہے۔ اگر یہ مل جائے تو پھر غم غم نہیں رہتا۔ دکھ دکھ نہیں رہتا۔ مایوسی مایوسی نہیں رہتی۔ بدحالی بدحالی نہیں رہتی۔

دین کی دعوت کو جو لوگ زندگی بناتے ہیں، ان کے صبر کا بدلہ یہ ملتا ہے کہ کسی مخالف کی سازش اور مکر ان کی دعوت کو ختم نہیں کر پاتا۔ خدا کی نصرت اور اس کی تائید کے زندہ نمونے وہ بار بار اپنی زندگی میں دیکھتے ہیں۔ خدا کی مصلحت ہو تو سیاسی اقتدار انھیں دے دیا جاتا ہے اور نہ ہو تو فکری امامت تو بہرحال ان کا مقدر ہوتی ہے۔ تاہم کسی داعی حق کے پیش نظر اس طرح کا کوئی نتیجہ نہیں ہوتا۔ اسے تو یکطرفہ طور پر دعوت حق کا ابلاغ کرنا ہوتا ہے۔ یہی اس کا اصل ہدف ہوتا ہے اور یہ ہدف صبر کرنے والے داعی ضرور حاصل کرتے ہیں۔

## قرآنی بیانات

ایمان والو، (یہ نعمت تمھیں عطا ہوئی ہے تو اب تمھارے مخالفین کی طرف سے جو مشکلیں بھی پیش آئیں، اُن میں) ثابت قدمی اور نماز سے مدد چاہو۔ اِس میں شبہ نہیں کہ اللہ اُن کے ساتھ ہے جو (مشکلات کے مقابلے میں) ثابت قدم رہنے والے ہوں۔ اور جو لوگ اللہ کی (اِس) راہ میں مارے جائیں، اُنھیں مردہ نہ کہو۔ (وہ مردہ نہیں)، بلکہ زندہ ہیں، لیکن تم (اُس زندگی کی حقیقت) نہیں سمجھتے۔ ہم (اِس راہ میں) یقیناً تمھیں کچھ خوف، کچھ بھوک اور کچھ جان و مال اور کچھ پھلوں کے نقصان سے آزمائیں گے۔ اور (اِس میں) جو لوگ ثابت قدم ہوں گے، (اے پیغمبر)، اُنھیں (دنیا اور آخرت، دونوں میں کامیابی کی) بشارت دو۔ (وہی) جنھیں کوئی مصیبت پہنچے تو کہیں کہ لاریب، ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہمیں (ایک دن) اُسی کی

طرف پلٹ کر جانا ہے۔یہی وہ لوگ ہیں جن پر اُن کے پروردگار کی عنایتیں اور اُس کی رحمت ہوگی اور یہی ہیں جو (اُس کی) ہدایت سے بہرہ یاب ہونے والے ہیں۔''، (البقرہ 2 :153-157)

''آج اُن کے صبر کا میں نے اُن کو صلہ دیا ہے کہ وہی کامیاب ہیں۔''، (مومنون 23:111)

''یہی ہیں جن کو اُن کی ثابت قدمی کے صلے میں (بہشت کے) بالا خانے ملیں گے اور وہاں آداب وتسلیمات کے ساتھ اُن کا استقبال کیا جائے گا۔''، (فرقان 75:25)

''یہی لوگ ہیں کہ اِن کی ثابت قدمی کے صلے میں اِنھیں اِن کا دہرا اجر دیا جائے گا۔یہ برائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں اور ہم نے جو رزق اِنھیں دے رکھا ہے، اُس میں سے خرچ کرتے ہیں۔''، (القصص 54:28)

''اور (یاد رکھو کہ) یہ دانش اُنھی کو ملتی ہے جو ثابت قدم رہنے والے ہوں اور یہ حکمت اُنھی کو عطا کی جاتی ہے جن کے بڑے نصیب ہیں۔''، (فصلت 35:41)

''اور ہم کیوں نہ اللہ پر بھروسا رکھیں، جبکہ ہمارے (یہ) راستے اُسی نے ہمیں بتائے ہیں۔تم جو اذیت بھی ہمیں دے رہے ہو، ہم اُس پر ہر حال میں صبر کریں گے اور (اللہ پر بھروسا کریں گے، اِس لیے کہ) بھروسا کرنے والوں کو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے۔''، (ابراہیم 12:14)

''یہ جو کچھ کہتے ہیں اُس پر صبر کرو، اِن سے نہایت بھلے طریقے سے صرف نظر کرو۔''، (مزمل 10:73)

'' سو جو کچھ یہ کہتے ہیں، اُس پر صبر کرو، (اے پیغمبر) اور اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کرتے رہو، سورج کے نکلنے اور اُس کے غروب ہونے سے پہلے (اور رات میں) بھی اُس کی تسبیح کرو۔''، (ق 39:50)

''اور جب اُنھوں نے ثابت قدمی دکھائی اور وہ ہماری آیتوں پر یقین بھی رکھتے تھے تو اُن کے اندر ایسے پیشوا اٹھائے جو ہمارے حکم سے اُن کی رہنمائی کرتے تھے۔''، (السجدہ 24:32)

''تمھیں کوئی کامیابی حاصل ہوتی ہے تو اِنھیں تکلیف پہنچتی ہے اور تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو

اِس سے خوش ہوتے ہیں۔(یہ تمھارے دوست نہیں ہیں، اِن کی پروا نہ کرو) اور (یاد رکھو کہ) اگر تم صبر کرو گے اور اللہ سے ڈرتے رہو گے تو اِن کی کوئی تدبیر تمھیں کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکے گی، اِس لیے کہ جو کچھ یہ کر رہے ہیں، اللہ اُس کو گھیرے میں لیے ہوئے ہے۔''، (آل عمران 3:120)

''ہاں کیوں نہیں، اگر تم صبر کرو اور خدا سے ڈرتے رہو اور تمھارے دشمن اِسی وقت تم پر آ پڑیں تو تمھارا پروردگار پانچ ہزار فرشتوں سے تمھاری مدد کرے گا جو خاص نشان لگائے ہوئے ہوں گے۔''، (آل عمران 3:125)

''ایمان والو، (آخری فتح تمھاری ہوگی، لیکن اِس کے لیے ضروری ہے کہ) صبر کرو، اپنے حریفوں کے مقابلے میں پامردی دکھاؤ، مقابلے کے لیے تیار رہو اور (تمام معاملات میں) اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تاکہ کامیاب رہو۔''، (ال عمران 3:200)

''اے پیغمبر، اِن مومنوں کو (اُس) جنگ پر ابھارو (جس کا حکم پیچھے دیا گیا ہے)۔ اگر تمھارے بیس آدمی ثابت قدم ہوں گے تو دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تمھارے سو ہوں گے تو ہزار منکروں پر بھاری رہیں گے، اِس لیے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو بصیرت نہیں رکھتے۔''، (الانفال 8:65)

''سو، (اے پیغمبر)، ثابت قدم رہو، جس طرح اولوالعزم پیغمبر ثابت قدم رہے اور اِن کے لیے (عذاب کی) جلدی نہ کرو۔ جس دن یہ لوگ اُس چیز کو دیکھیں گے جس کی اِنھیں وعید سنائی جا رہی ہے تو محسوس کریں گے کہ گویا دن کی ایک گھڑی سے زیادہ (دنیا میں) نہیں رہے۔ تمھارا کام پہنچا دینا ہے۔ اب ہلاک تو وہی لوگ ہوں گے جو نافرمان ہیں۔''، (احقاف 46:35)

''(یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ سے وفا کا حق مذہب کی کچھ رسمیں پوری کر دینے سے ادا ہو جاتا ہے۔ اِنھیں معلوم ہونا چاہیے کہ) اللہ کے ساتھ وفاداری صرف یہ نہیں کہ تم نے (نماز میں) اپنا رخ مشرق یا مغرب کی طرف کر لیا، بلکہ وفاداری تو اُن کی وفاداری ہے جو (پورے دل سے) اللہ کو مانیں اور قیامت کے دن کو مانیں اور اللہ کے فرشتوں کو مانیں اور اُس کی کتابوں کو مانیں اور اُس کے نبیوں کو مانیں اور مال کی محبت کے باوجود اُسے قرابت مندوں، یتیموں، مسکینوں،

مسافروں اور مانگنے والوں پر اور لوگوں کی گردنیں چھڑانے میں خرچ کریں، اور نماز کا اہتمام کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ اور (وفاداری تو اُن کی وفاداری ہے کہ) جب عہد کر بیٹھیں تو اپنے اِس عہد کو پورا کرنے والے ہوں اور بالخصوص (اُن کی) جو تنگی اور بیماری میں اور جنگ کے موقع پر ثابت قدم رہنے والے ہوں۔ یہی ہیں جو (اللہ کے ساتھ اپنے عہدِ وفا میں) سچے ہیں اور یہی ہیں جو فی الواقع پرہیزگار ہیں۔''، (البقرہ 2:177)

''بیٹے، نماز کا اہتمام رکھو، بھلائی کی تلقین کرو اور برائی سے روکو، اور (اِس راہ میں) جو مصیبت تمھیں پہنچے، اُس پر صبر کرو۔ اِس لیے کہ یہی چیزیں ہیں جن کی تاکید کی گئی ہے۔''، (لقمان 31:17)

''اللہ فرمائے گا: یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کی سچائی اُن کے کام آئے گی۔ اُن کے لیے باغ ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں، وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔''، (المائدہ 5:119)

''مہاجرین و انصار کے اُن لوگوں سے اللہ راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے جو سب سے پہلے سبقت کرنے والے ہیں اور وہ بھی جنھوں نے خوبی کے ساتھ اُن کی پیروی کی ہے۔ اللہ نے اُن کے لیے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔''، (التوبہ 9:100)

''اُن کا صلہ اُن کے پروردگار کے پاس ابد کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اُس سے راضی ہوئے۔ یہ صلہ ہے اُن کے لیے جو اپنے پروردگار سے (بن دیکھے) ڈرے۔''، (البینہ 98:8)

''اور ہاں جن پر ظلم ہوا اور اُس کے بعد اُنھوں نے بدلہ لیا تو یہی ہیں جن پر کوئی الزام نہیں ہے۔ الزام تو اُنھی پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے اور زمین میں بغیر کسی حق کے سرکشی کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔ البتہ جو صبر کریں اور معاف کر دیں تو بے شک یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہیں۔''، (شوریٰ 42 :41-43)

----------------

مبشر نذیر

# ترکی کا سفر نامہ (63)

جدید دنیا، ملٹی نیشنل کمپنیوں کی دنیا ہے۔ پوری دنیا میں ہر قسم کے کاروبار پر چند کمپنیوں کی اجارہ داری قائم ہو چکی ہے۔ اس اجارہ داری کا نقصان عام آدمی کو ہو رہا ہے۔ حال ہی میں عالمی شہرت یافتہ بھارتی مصنفہ ارون دھتی رائے اور ان کے ہم خیال سوشلسٹ گروہوں کی طرف سے ملٹی نیشنل کمپنیوں کی اس اجارہ داری کے خلاف زبردست آواز سامنے آئی ہے۔

سوشلسٹ طرز فکر رکھنے والے ایک عجیب المیہ کا شکار ہیں۔ جب یہ لوگ سرمایہ دارانہ نظام کی برائیاں بیان کرنے پر آتے ہیں تو بڑے خوبصورت طریقے سے اس نظام کی خامیاں اجاگر کرتے ہیں۔ سرمایہ داروں کے مزدور پر ظلم کے حقائق کو اس انداز میں بیان کرتے ہیں کہ سننے والے کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں۔ دولت کے چند ہاتھوں میں ارتکاز کے مسائل ایسے دردناک بیان کرتے ہیں کہ سننے والے کا دل یہ چاہتا ہے کہ وہ اٹھے اور اس کھیت کو آگ لگا دے جو کسان کو روٹی مہیا نہ کر سکے۔ سرمایہ داروں کی اجارہ داریوں اور اس کے استحصال کی ایسی ایسی تفصیلات بیان کرتے ہیں کہ انسان کانوں کو ہاتھ لگا لے۔

یہ سب بیان کرنے کے بعد وہ اس مسئلے کا جو متبادل حل پیش کرتے ہیں، وہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ چند سرمایہ داروں کی اجارہ داریوں کو ختم کر کے حکومت کی ایک ہی بڑی سی اجارہ داری قائم کر دی جائے۔ ظاہر ہے کہ حکومت پر کنٹرول ایک یا چند اشخاص کا ہوتا ہے۔ سوشلسٹ نظام کے قیام کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ پورے ملک کی معیشت چند افراد کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے اور اس طریقے سے سرمایہ داروں کے ایک بڑے گروہ کا خاتمہ کرتے ہوئے پورے ملک کو چند افراد کا غلام بنا دیا جاتا ہے۔

ملٹی نیشنل کمپنیوں کی اجارہ داری واقعتاً ایک بڑا مسئلہ ہے۔ مغربی ممالک میں اس مسئلے کا حل ''کارپوریٹ سوشل ریسپانسی بلٹی'' کی صورت میں نکالا گیا ہے۔ ان کی حکومتیں کمپنیوں کے منافع میں سے 40-60% حصہ وصول کر کے انہیں عوام کی فلاح و بہبود پر خرچ کرتی ہیں۔ کمپنیوں کو اس بات پر مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ خود بھی معاشرے کی خدمت کے لئے تعلیم اور صحت کے فلاحی منصوبوں میں پیسہ لگائیں۔ اس ضمن میں نہ صرف قانونی اقدامات کیے جاتے ہیں بلکہ اس تصور کو کاروباری تعلیم کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔ نوجوان چارٹرڈ اکاؤنٹنٹس اور بزنس ایڈمنسٹریٹرز کی تعلیم میں سب سے زیادہ اہمیت اخلاقی اقدار کو دی جاتی ہے۔ ان کے ذہنوں میں یہ بٹھا دیا جاتا ہے کہ انہیں معاشرے سے متعلق اپنی ذمہ داری سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کے عوام کا شعور اس حد تک بیدار کر دیا گیا ہے کہ جو کمپنیاں سماجی مسائل کو حل کرنے پر رقم نہیں لگاتیں، لوگ ان کی پراڈکٹس خریدنا چھوڑ دیتے ہیں۔

میرے خیال میں دولت کے ارتکاز کے مسئلے کا حل یہی ہے۔ ایک طرف اس مقصد کے لئے قانون سازی کرنی چاہیے کہ بڑی کمپنیوں پر ٹیکس کی شرح زیادہ ہو۔ انہیں عوام پر رقم خرچ کرنے پر مجبور کیا جائے اور کاروباری تعلیم میں نئے ایگزیکٹوز کو اس کام کے لئے تیار کیا جائے کہ وہ عوام کی فلاح و بہبود پر خرچ کرنے کو ترجیح دیں۔

عہد رسالت میں پیداوار بنیادی طور پر زرعی ہوا کرتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمین کے حالات کے مطابق اس پیداوار کا 10% یا 5% بطور زکوۃ ادا کرنے کا حکم دیا۔ صنعتی انقلاب کے بعد ملکی پیداوار کا بڑا حصہ صنعتی پیداوار پر مشتمل ہے۔ دور جدید کے بعض اہل علم نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ صنعتی پیداوار پر بھی زکوۃ عائد کر دینی چاہیے۔ جو لوگ کاروبار کو سمجھتے ہیں، وہ اس سے واقف ہیں کہ زراعت، صنعت اور سروس جدید پیداواری معیشت کے تین سیکٹرز

ہیں۔ اگر ایک چھوٹے سیکٹر پر زکوۃ عائد کی جا رہی ہے تو باقی دو بڑے سیکٹرز کو اس سے مستثنیٰ کیوں کیا جائے۔

## خلیج ازمت

اب ہم دوبارہ ''بولو'' شہر کی طرف بڑھ رہے تھے۔ یہ وہی شہر تھا جہاں سے ہم نے اپنے سفر کا آغاز کیا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ جانے اور آنے کے سفر میں ہم ایک شہر سے دوسری بار گزرنے والے تھے۔ بولو کے بعد، یہاں کی طویل سرنگ آئی اور اس کے بعد ہم جھیل اسپانزا جا پہنچے۔ یہاں کچھ رک کر جھیل کے نظاروں کو اپنی آنکھوں میں اتارنے کے بعد ہم آگے روانہ ہوئے۔ تھوڑی ہی دیر میں ہم ''ازمت'' کے ایگزٹ پر پہنچ چکے تھے۔ یہاں ٹول پلازہ پر باقاعدہ عملہ موجود تھا جنہوں نے پانچ لیرا وصول کر کے ہمیں موٹروے سے نکلنے کی اجازت دی۔ آگے ازمت شہر تھا۔

بحیرہ مرمرہ شمال مشرق میں ایک تنگ جھیل کی شکل اختیار کر جاتا ہے جو کہ خلیج ازمت کہلاتی ہے۔ اس خلیج کے آخری کونے میں ازمت شہر واقع ہے۔ شہر کے قریب سے گزرتے ہوئے ہم خلیج کے دوسرے کنارے پر آ گئے۔ آج بادلوں کی وجہ سے اس خلیج کا رنگ نیلے کے بجائے گرے نظر آ رہا تھا۔ کچھ دیر ہم خلیج کے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ اس علاقے میں آبادی بہت گنجان تھی۔ اس کی وجہ سے ہر تھوڑے فاصلے پر ایک سگنل آ جاتا تھا۔ اس وجہ سے ہمارا دم الجھ رہا تھا۔

## برسا

عشاء کے قریب جا کر ہم برسا پہنچے۔ یہ استنبول، انقرہ اور ازمیر کے بعد ترکی کا چوتھا بڑا شہر ہے۔ عثمانی بادشاہوں نے اناطولیہ فتح کرنے کے بعد قونیہ کی بجائے برسا کو اپنا دار الحکومت بنایا۔ یہ سلسلہ اس وقت تک چلا جب سلطان محمد فاتح نے استنبول فتح کر کے اسے اپنا دار الحکومت وہاں منتقل کر دیا۔

اب ہمارا بھوک اور تھکن کے مارے ہمارا برا حال ہو رہا تھا مگر برسا میں کوئی ہمیں پرسہ دینے

کے لئے موجود نہ تھا۔ مین روڈ کے اوپر ہی میکڈونلڈ کا سائن نظر آ رہا تھا۔ کسی نئے ترکی کھانے کو آزمانے سے بہتر تھا کہ اسی کھانے کو آزمایا جائے جس کے ذائقے سے ہماری زبانیں پہلے سے آشنا تھیں۔ میں نے گاڑی میکڈونلڈ کے ڈرائیو وے کی طرف موڑ لی اور تین ''بگ میک'' کا آرڈر دیا۔ کھڑکی میں موجود خاتون کو نجانے کیا سمجھ میں آیا کہ انہوں نے چار برگر لا کر ہمیں پکڑا دیے۔ میں نے کہا، ''میں نے تو تین کا آرڈر دیا تھا۔'' معصومیت سے کہنے لگیں، ''سر! پھر ایک کے پیسے میں اپنی جیب سے دے دیتی ہوں۔'' ہمیں یہ مناسب نہ لگا چنانچہ چاروں برگر کے پیسے دے کر آگے روانہ ہوئے۔

تھوڑی دور جا کر ہمیں ایک عجیب چیز نظر آئی۔ ایک اشارے پر گاڑی روکی تو ایک بہت ہی طویل بس ہمارے سامنے موجود تھی۔ یہ ایک کے بجائے دو بسیں تھیں جنہیں جوڑا گیا تھا۔ اگلی بس مکمل تھی مگر اس کا پچھلا حصہ غائب تھا۔ جبکہ پچھلی بس ڈرائیور والے حصے کے بغیر تھی۔ ان دونوں بسوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ کر ایک لمبی بس تیار کی گئی تھی۔ درمیانی حصے میں ربڑ لگا ہوا تھا تا کہ بس آسانی سے مڑ سکے۔ ان بسوں کا مقصد یہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ افراد کو لے جایا جا سکے۔

تھوڑی دیر میں ہم ''شہر مرکزی'' یا اندرون شہر جا پہنچے۔ یہ بھی ترکی کے دیگر شہروں کی طرح نہایت ہی صاف ستھرا شہر تھا۔ یہاں ایک چوک میں بہت سے ہوٹل موجود تھے۔ ہم نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ یہاں انقرہ کی طرح ہوٹل تلاش کرنے کے لئے ہمیں جھک نہیں مارنی پڑی۔ دو تین ہوٹل دیکھ کر ایک صاف ستھرا ہوٹل پسند کیا اور وہیں ڈیرا ڈال دیا۔

برسا شہر کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اسے سلطنت عثمانیہ کے پہلے دارالحکومت ہونے کا شرف حاصل رہا ہے۔ مناسب ہوگا کہ اگر سلطنت عثمانیہ کی مختصر تاریخ بیان کر دی جائے جو کہ چار سو سال تک دنیا میں واحد سپر پاور کی حیثیت سے موجود رہی ہے۔

[جاری ہے]

پروین سلطانہ حنا

# غزل

اس زمین کا موسم دشتِ بے اماں ہو گا
روزِ حشر سے پہلے حشر کا سماں ہو گا

ایٹمی لڑائی کو اتنا سہل مت جانو
آدمی کی بستی میں حادثہ گراں ہو گا

ظلم کو مٹا ڈالو، فاختہ کو مت مارو
امن کی فضاؤں میں ورنہ پھر دھواں ہو گا

ذہن و دِل کے خانوں کی مختلف ہیں آوازیں
اختلاف تو ہو گا آدمی جہاں ہو گا

کائنات مہکے گی خوشبوؤں کی بارش سے
امن کی بہاروں کا حسن جب عیاں ہو گا

آیئے کہ مِل بیٹھیں، وقت مہرباں ہو گا
ہر طرف تباہی کا ورنہ پھر نشاں ہو گا

---

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر ایک بالشت کے برابر بھی کسی نے (زمین کے بارے میں) ظلم کیا تو (قیامت کے دن) سات زمینوں کا طوق اسے پہنایا جائے گا۔(بخاری رقم: 3195)

Please visit this link to read the articles and books of Abu Yahya online for free.

www.inzaar.org

To get Abu Yahya Quotes Join us on twitter:

Twitter ID: @AbuYahya_inzaar

To read Abu Yahya articles regularly Join us on Facebook

Abu Yahya Page: www.facebook.com/abuyahya.inzaar

Abu Yahya Account: www.facebook.com/abuyahya.jzsh

Join us on Youtube

Search inzaar on YouTube to see our audios and lectures

To get monthly books, CDs/USB and Inzaar's monthly magazines at home anywhere in Paksitan, contact # 0332-3051201 or 0345-8206011

To participate in online courses, visit www.inzaar.org/online-courses/

To get any other information, email to globalinzaar1@gmail.com

Following material in audio form is available on USB/CD:

Quran Course by Abu Yahya

Quran Translation and Summary by Abu Yahya

Islahi Articles

Jab Zindagi Shuru Hogi (book)

Qasam Us Waqt Ki (book)

Aakhri Jang (book)

Monthly
INZAAR

APR 2019
Vol. 07, No. 04
Regd. No. MC-1380

Publisher: Rehan Ahmed Printers: The Sami Sons Printers,
25-Ibrahim Mansion, Mill Street, Pakistan Chowk, Karachi

# ابو یحییٰ کی دیگر کتابیں

**”ملاقات“**

اہم علمی، اصلاحی اجتماعی معاملات پر ابو یحییٰ کی ایک نئی فکر انگیز کتاب

---

**”جب زندگی شروع ہوگی“**

ایک تحریر جو ہدایت کی عالمی تحریک بن چکی ہے

---

**”قسم اُس وقت کی“**

ابو یحییٰ کی شہرہ آفاق کتاب ”جب زندگی شروع ہوگی“ کا دوسرا حصہ

---

**“When Life Begins”**

English Translation of Abu Yahya Famous book

**Jab ZindagiShuruHo Gee**

---

**”کھول آنکھ زمیں دیکھ“**

مغرب اور مشرق کے سات اہم ممالک کا سفرنامہ

---

**”بس یہی دل“**

دل کو چھو لینے والے مضامین ذہن کو روشن کر دینے والی تحریریں

---

**”تیسری روشنی“**

نفرت اور تعصب کے اندھیروں کے خلاف روشنی کا جہاد

---

**”حدیثِ دل“**

موثر انداز میں لکھے گئے علمی، فکری اور تذکیری مضامین کا مجموعہ

---

**”قرآن کا مطلوب انسان“**

قرآن کے الفاظ اور احادیث کی روشنی میں جانیے اللہ ہم سے کیا چاہتے ہیں